مُعاشرتی علُوم

چھٹی جماعت کے لیے

ناشر

کشمیر کتاب گھر، ۱۳- اُردو بازار، لاہور

برائے



پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

کتاب بہترین ساتھی ہے
اس سے پیار کیجیے
اسے ضائع ہونے سے بچائیے

اپیل

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ ایک قومی ادارہ ہے جو پنجاب کے طلبہ کے لیے معیاری اور سستی نصابی کُتب بروقت مہیا کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔ مگر کچھ جعل ساز ناجائز منافع کے لیے بورڈ کی شائع کردہ کُتب کے جعلی ایڈیشن گھٹیا کاغذ پر ناقص طباعت کے ساتھ مارکیٹ میں فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بورڈ کو مالی نقصان پہنچانے کے علاوہ اس کی بدنامی کا سبب بھی بنتے ہیں۔ طلبہ اور والدین سے توقع کی جاتی ہے کہ ایسی کُتب کی اطلاع بورڈ کو دیں تاکہ ضروری سدِباب کیا جا سکے۔ بورڈ کی نصابی کتابوں کی نشاندہی بورڈ کے اس نشانِ خصوصی سے ہوتی ہے جو ہر کتاب کے سرورق پر چھپا ہوتا ہے۔

پروفیسر نذیر احمد اعوان
چیئرمین
پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ
21-ای-2-گلبرگ-3-لاہور

مُعَاشرتی عُلُوم

چھٹی جماعت کے لیے



ناشر

کشمیر کتاب گھر، اُردو بازار، لاہور

برائے

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

ایڈیشن	طباعت	تاریخ اشاعت	تعداد
(تجرباتی)	سوم	مارچ 1985ء	2,0000

تیار کردہ : پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ ، لاہور
منظور کردہ : قومی ریویو کمیٹی ، وفاقی وزارتِ تعلیم و صوبائی رابطہ حکومتِ پاکستان

مصنّفین :

بشیر الدین ملک

مقبول انور داؤدی

مِسز صفیہ امین الحق

مدیر :

بشیر الدین ملک

نگران :

حفصہ جاوید

سبطِ حسن

ناشر : چوہدری رحیم بخش ، کشمیر کتاب گھر ، اُردو بازار لاہور
پرنٹر : حامد اینڈ کمپنی پرنٹرز لاہور

خطّاط : عبدالمتین

فہرست مضامین

پیش لفظ

تعلیمی پالیسی کے تحت تعلیمی مقاصد کے حصُول کے لیے مُعاشرتی علوم کے مضمون کو منفرد حیثیت حاصل ہے۔ ان تعلیمی مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ :

1۔ پاکستان کے بنیادی نظریے کی بقا کے لیے اس کے عملی نفاذ کو یقینی بنایا جائے نیز انفرادی اور قومی زندگی کے لیے اِسے ضابطۂ حیات کی شکل دی جائے۔

2۔ معاشرتی یکجہتی کو ترقّی دی جائے اور بنیادی نظریۂ حیات کے مطابق قومی اِتّحاد کو تعمیر کیا جائے۔

3۔ فرد کی پُوری شخصیت کی نشو و نما کی جائے۔

اِنھیں ضرورتوں اور تقاضوں کے پیشِ نظر، معاشرتی عُلُوم کے موجودہ نصاب کو ترتیب دیا گیا ہے۔ معاشرتی عُلوم کی تدریس کا سب سے اہم مقصد بچّوں میں مقامی ماحول سے لگاؤ پیدا کرنا ہے تاکہ وہ اپنے مقامی وسائل کے متعلّق جان سکیں، مزید وسائل کی جستجو کریں، ان کے استعمال کی راہیں سوچیں اور اس طرح پاکستان کی ترقّی اور بقا میں بھر پُور حِصّہ لینے کے قابل ہوں۔

معاشرتی علوم کے نصاب کی ترتیب یوں ہے کہ پہلی جماعت میں بچّے کو اُس کے گھر، سکول، مسجد، ہمسایوں اور گلی، محلّے کے مسائل سے روشناس کرایا گیا ہے۔ دُوسری جماعت میں گاؤں یا شہر، تیسری جماعت میں ضلع، چوتھی جماعت میں صُوبہ اور پانچویں جماعت میں پاکستان کے متعلّق معلومات دی گئی ہیں۔ چھٹی جماعت میں پاکستان برِصغیر پاک و ہند کے تناظر میں، ساتویں جماعت میں پاکستان مسلم ممالک کے حوالے سے اور آٹھویں جماعت میں عالمی برادری کے رُکن کی حیثیت سے دکھایا گیا ہے۔

چھٹی جماعت کے طلبا کے لیے کتاب کو ترتیب دیتے وقت صرف اتنی ہی تفصیلات دی گئی ہیں

جو درج بالا مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہیں۔ مثال کے طور پر برِصغیر کے فرمانرواؤں اور بادشاہوں کے حالات اور اُن کے مابین جنگوں کو کافی حد تک نظر انداز کیا گیا ہے۔ البتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدّن کو واضح کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کا تشخّص کھُل کر سامنے آسکے اور بچّے پاکستان کے مطالبے کا پسِ منظر جان سکیں۔ برِصغیر اور بالخصوص پاکستان کے وسائل اور اسے درپیش مسائل کو اِس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ بچّے مثبت انداز میں سوچیں اور ان کا تعمیری حل پیش کر سکیں۔ ان کے علاوہ اُن عنوانات پر خصوصی توجّہ دی گئی ہے جو طالب علم کی روزمرّہ زندگی میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ زبان سادہ، سلیس اور غیر مبہم ہو۔ تصورات کی وضاحت اور بچّوں کی دلچسپی کے لیے تصویروں اور شکلوں کا اِستعمال کیا گیا ہے تاکہ اُن کو سمجھنے اور یاد رکھنے میں دقّت پیش نہ آئے۔

اپنی پوری کوشش کے باوجود ہمیں احساس ہے کہ یہ کتاب خامیوں سے پاک نہیں ہوگی۔ اساتذہ کرام، دیگر ماہرینِ معاشرتی علوم اور طلبا سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں کتاب کی خامیوں سے آگاہ کریں تاکہ آیندہ ایڈیشن میں اِصلاح کر کے کِتاب کو ہر لحاظ سے بہتر بنایا جا سکے۔

مصنّفین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برِّصغیر پاک و ہند

محلِّ وقوع

دُنیا میں سات برّاعظم ہیں۔ اِن میں برّاعظم ایشیا آبادی اور رقبے کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے۔ اس برّاعظم نے خشکی کا ایک تہائی حصّہ گھیر رکھا ہے اور اس میں دُنیا کے نصف سے زیادہ باشندے رہتے ہیں۔ آپ نقشے میں دیکھ سکتے ہیں کہ ایشیا کے درمیانی حصّے میں پہاڑوں کے کئی سلسلے شرقاً غرباً پھیلے ہُوئے ہیں۔ ان سلسلوں کے درمیان وسیع سطوحِ مرتفع ہیں جہاں سطحِ سمندر سے کافی بلند ہونے کی وجہ سے شدید سردی پڑتی ہے۔

وسطی پہاڑوں کے جنوبی سلسلے کوہِ ہمالیہ اور کوہِ قراقرم پر مشتمل ہیں۔ یہ سلسلے سطحِ مرتفع پامیر سے شروع ہوتے ہیں اور مشرق کی جانب قریباً اڑھائی ہزار کلومیٹر تک پھیلے ہُوئے ہیں۔ ان سلسلوں کے جنوب میں برِّصغیر پاک و ہند واقع ہے۔ برِّصغیر میں پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال اور بھارت شامل ہیں اور پاکستان کے شمال مشرق میں ریاست جموں و کشمیر واقع ہے۔

برّاعظم ایشیا میں برِّصغیر کے ممالک کو بڑی اہمیّت حاصل ہے۔ اس میں دو بڑے وسیع دریائی میدان ہیں، مغرب میں دریائے سندھ کا میدان اور مشرق میں دریائے گنگا اور دریائے برہم پُتر کا میدان۔ یہ میدان اپنی زرخیزی کے لیے دُنیا بھر میں مشہور ہیں۔ برِّصغیر میں دُنیا کے بلند ترین پہاڑوں کے سلسلے واقع ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں ایسے علاقے بھی واقع ہیں جہاں دُنیا میں سب سے زیادہ بارش ہوتی ہے اور ایسے علاقے بھی ہیں جہاں سب سے زیادہ گرمی پڑتی ہے۔

حدُودِ اربعہ

وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلوں اور تبّت کی سطحِ مرتفع کے شمال میں ایشیائی رُوس واقع ہے۔ رُوس رقبہ کے اعتبار سے دُنیا کا سب سے بڑا مُلک ہے۔

برِّصغیر پاک و ہند کے شمال اور مشرق میں چین کا مُلک ہے۔ چین آبادی کے لحاظ سے دُنیا کا سب سے بڑا مُلک ہے۔ چین کے لوگ بہت محنتی ہیں۔ چین کے شمال مشرق میں جاپان کے جزائر واقع ہیں۔ صنعتی میدان میں جاپان نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔

برِّصغیر کے جنوب مشرق میں ملائشیا، انڈونیشیا اور ہند چینی کے ممالک واقع ہیں۔ اِن مُلکوں

میں آبادی بہت گنجان ہے۔

بّرِصغیر کے مشرق میں برما واقع ہے جو جنگلات کی دولت سے مالا مال ہے۔

بّرِصغیر پاک و ہند کے مغرب میں افغانستان ، ایران ، ترکی ، عراق ، شام ، سعودی عرب اور خلیج فارس کی ریاستیں شامل ہیں۔ یہ سب مُسلم ممالک ہیں۔

بّرِصغیر کے جنوب میں بحرِ ہند واقع ہے۔ بحرِ ہند کے مغربی حِصّے کو بحیرہ عرب اور مشرقی حِصّے کو خلیج بنگال کہتے ہیں۔ بّرِصغیر کے عین جنوب میں سری لنکا کا ملک واقع ہے۔ یہاں کی چائے ساری دُنیا میں مشہور ہے۔

پاکستان بّرِصغیر میں

پاکستان بّرِصغیر کے شمال مغربی اور مغربی حِصّے پر مُشتمل ہے۔ مشرق میں پاکستان کی سرحد بھارت کے صوبہ پنجاب سے مِلتی ہے جو دریائے سندھ کے میدان کا حصّہ ہے۔ دریائے راوی ، دریائے ستلج اور دریائے بیاس کا پانی بھارت کے علاقوں سے گزر کر پاکستان میں داخل ہوتا ہے۔ پاکستان کے جنُوب مشرق میں بھارت کا صُوبہ راجستھان واقع ہے۔ راجستھان ایک وسیع صحرا ہے جو ہمارے ریگستانی علاقوں سے مِلا ہُوا ہے۔ اِس بڑے ریگستانی علاقے کو 'تھر' کہتے ہیں۔ پاکستان کے ریگستانی علاقے کا قریباً نصف حِصّہ نہری آب پاشی کی بدولت سرسبز و شاداب ہو گیا ہے۔

پاکستان کے شمال مشرق میں ریاست جموں و کشمیر واقع ہے۔ ریاست جموں و کشمیر میں مُسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔

بھارت کے مشرق میں بنگلہ دیش واقع ہے۔ بنگلہ دیش میں زیادہ تر مسلمان رہتے ہیں۔

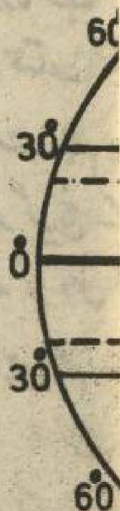
بّرِصغیر پاک و ہند کا محلِ وقوع بلحاظ عرض بلد اور طُول بلد

بّرِاعظم ایشیا کے نقشے میں دیکھیے کہ بّرِصغیر پاک و ہند شمالاً جنوباً 8 درجے عرض بلد شمالی اور 37 درجے عرض بلد شمالی کے درمیان پھیلا ہُوا ہے اور شرقاً غرباً 61 درجے مشرقی طُول بلد اور 92.5 درجے مشرقی طُول بلد کے درمیان واقع ہے۔

خطُوطِ عرض بلد اور خطُوطِ طُول بلد کی اہمیّت

کسی مقام کا محلِ وقوع نقشے پر تلاش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں پتا ہو کہ وہ مقام کتنے درجے عرض بلد اور کتنے درجے طُول بلد پر واقع ہے۔ یہ خطُوط درجوں میں ظاہر کیے جاتے ہیں۔ جب کسی مقام کا عرض بلد بتایا جاتا ہے تو اس کے معنی ہوتے

ا پر چتنے
شمال اور
بلد ہوگا۔



ے اور دوسرا
اور اس فرق
3300-110

شمالی کو
یں۔ یہ خطوط،

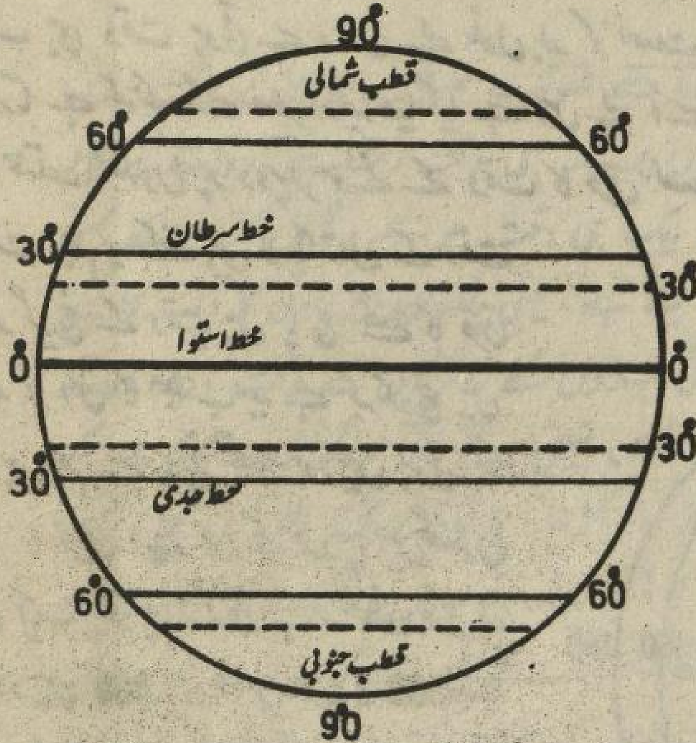
ہوتی ہے۔

سطح سمندر سے بلندی

زائد	سے	4000
4000	سے	2000
2000	سے	600
کم	سے	600



ہیں کہ یہ جگہ خطِ استوا کے اِتنے درجے شمال یا جنوب میں واقع ہے۔ خطِ استوا پر جتنے بھی مقامات واقع ہیں، ان کا عرض بلد صفر درجہ ہے۔ اب خطِ استوا کے متوازی شمال اور جنوب میں جتنے بھی درجے پر کوئی خط شرقاً غرباً کھینچا جائے، وہ اس جگہ کا عرض بلد ہوگا۔



خطوطِ عرض بلد کی مدد سے ہم کسی مقام کی آب وہوا کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔ آپ پانچویں جماعت میں پڑھ چکے ہیں کہ خطِ استوا کے قریب زیادہ گرمی پڑتی ہے اور جُوں جُوں ہم خطِ اِستوا سے دُور ہوتے جائیں، گرمی کم ہوتی جاتی ہے۔ اس طرح ہم بتا سکتے ہیں کہ جو مقام 40° شمالی عرض بلد پر واقع ہے وہ 10° شمالی عرض بلد پر واقع مقام کی نسبت کم گرم ہوگا۔

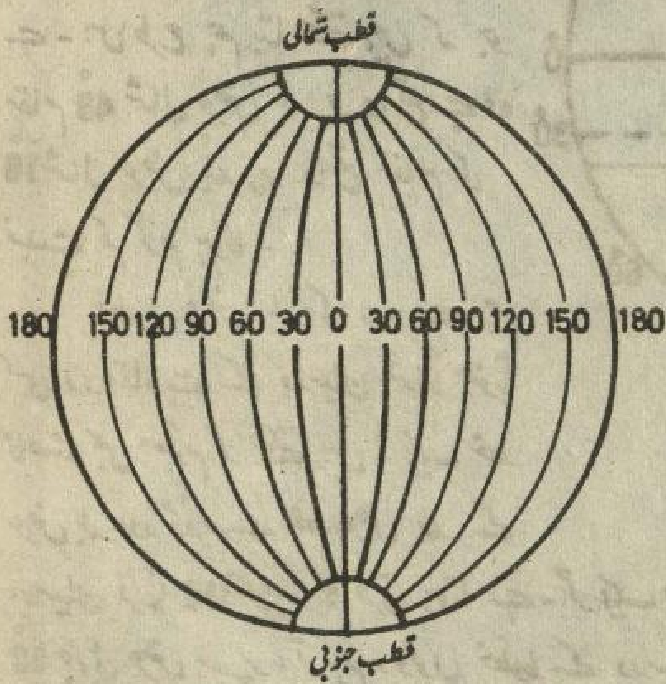
خطوطِ عرض بلد کی مدد سے ہم کسی دو مقامات کے درمیان شمالاً جنوباً فاصلہ بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ ایک خط عرض بلد اور دُوسرے خط عرض بلد کے درمیان قریباً 110 کلومیٹر کا فرق ہوتا ہے۔ اگر ایک مقام 20° جنوبی عرض بلد پر واقع ہے اور دُوسرا 50° جنوبی عرض بلد پر، تو ہم دونوں خطُوط کے درمیان 30 درجوں کا فرق نکال کر اور اس فرق کو 110 سے ضرب دے کر بتا سکتے ہیں کہ دونوں مقامات کے درمیان قریباً 30×110=3300 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔

خطوط طُول بلد اور وقت

خطُوطِ طول بلد وہ فرضی خطُوط ہیں جو قطب شمالی کو قطب جنوبی سے ملاتے ہُوئے مقرر کیے گئے ہیں۔ یہ خطُوط، خطِ استوا کو 90° درجے پر کاٹتے ہیں۔ یہ تعداد میں 360 ہیں۔

جو مقامات ایک ہی خطِ طُول بلد پر واقع ہوں، وہاں دوپہر ایک ہی وقت ہوتی ہے۔

خطوطِ عرض بلد کا شمار تو خطِ استوا سے کیا جاتا ہے جو زمین کو شمالاً جنوباً دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، لیکن خطوطِ طُول بلد اس طرح کھینچے گئے ہیں کہ ہر خط زمین کو شرقاً غرباً دو حصّوں میں برابر تقسیم کرتا ہے - اس لیے خطوطِ طول بلد کا شُمار کرنے کے لیے انگلستان میں گرینچ کے مقام سے گزرنے والے خطِ طُول بلد کو صفر درجہ مان لیا گیا ہے - 180 درجے اِس خط کے مشرق میں اور 180 درجے مغرب میں ہیں -کیونکہ ایک خطِ طُول بلد پر واقع تمام مقامات پر دوپہر ایک ہی وقت ہوتی ہے، اس لیے طُول بلد کو 'نصف النہار' بھی کہتے ہیں اور جو خط گرینچ سے گزرتا ہے کیونکہ اُسے صفر درجہ دیا گیا ہے، اس لیے اُسے 'نصف النہار شمار' کہتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ مختلف جگہوں پر دوپہر ہونے کے وقت کا فرق نصف النہار شمار سے معلوم کیا جاتا ہے۔ جس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کے وقت اور گرینچ کے وقت میں پانچ گھنٹے کا فرق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گرینچ میں دوپہر ہم سے پانچ گھنٹے بعد میں ہوتی ہے۔



زمین اپنے محور کے گرد چوبیس گھنٹوں میں ایک چکر پورا کرتی ہے - خطوط طُول بلد تعداد میں 360 ہیں - اس طرح یہ 360 درجے باری باری چوبیس گھنٹوں میں سُورج کے سامنے آتے ہیں اور ہٹتے جاتے ہیں - پس ایک درجے کے بعد دُوسرے درجے کے آنے تک $\frac{24 \times 60}{360}$ یعنی چار منٹ لگتے ہیں -

سُورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غرُوب ہوتا ہے - اس لحاظ سے جو مقامات ہم سے مشرق میں ہیں، وہاں سُورج پہلے طلُوع ہوتا ہے اور جو مقامات مغرب میں ہیں، وہاں سُورج بعد میں طلُوع ہوتا ہے - یہی وجہ ہے کہ مشرقی مقامات پر مغربی مقامات کی نسبت دوپہر پہلے ہوتی ہے - یُوں ہم دو مقامات کے وقت کا فرق آسانی سے معلُوم کر سکتے ہیں -

اگر ایک مقام ہم سے 10 درجے مشرقی طُول بلد پر واقع ہے تو وہاں ہم سے 4×10=40 منٹ

پہلے سُورج طلوع ہوگا اور 40 منٹ پہلے غرُوب ہو جائے گا۔ اگر ہمارے ہاں اس وقت دن کے دس بجے ہیں تو وہاں اس وقت دن کے دس بج کر چالیس منٹ ہوں گے اور جو مقام دس درجے مغرب میں ہے، وہاں اس وقت دس بجنے میں چالیس منٹ ہوں گے۔ اس طرح اگر ہمیں کسی مقام کا طُول بلد معلوم ہو تو ہم بتا سکتے ہیں کہ اس مقام کا وقت ہمارے مقام کے وقت سے کِتنا آگے یا پیچھے ہے۔

معیاری وقت

سُورج کی بلندی کے لحاظ سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر وقت بدلتا رہتا ہے، لیکن ہماری گھڑیوں پر ایک ہی وقت رہتا ہے۔ روزمرّہ کے کام کاج کے لیے یہ ضروری ہے کہ پاکستان میں ہر جگہ ایک ہی وقت ہو۔ ہم ریڈیو پاکستان کے کسی بھی سٹیشن سے خبریں سُنیں تو ایک ہی وقت بتایا جاتا ہے۔ یعنی پاکستان میں دن کا ایک بجا ہے یا رات کے 8 بجے ہیں۔ اسی طرح ریلوں اور ہوائی جہازوں کے ٹائم ٹیبل کے وقت دیے ہوتے ہیں اور ہمیں اپنے پروگرام بنانے میں کوئی دِقّت محسوس نہیں ہوتی۔ اگر ہم گھڑیوں کا سُورج کی بلندی کے لحاظ سے وقت ملانے لگیں تو ہمیں بار بار گھڑیاں یا تو آگے کرنا پڑیں یا پیچھے، کیونکہ ہر درجہ پر 4 منٹ کا فرق پڑتا ہے۔ اِس دِقّت کو دُور کرنے کے لیے ہر ملک اپنے کسی ایک مقام کا سُورج کی بلندی کے لحاظ سے جو وقت ہو، وہ تمام مُلک کے لیے مقرر کر دیتا ہے۔ ایسے وقت کو "معیاری وقت" کہتے ہیں۔ پاکستان کا معیاری وقت لاہور کے مقامی وقت کے مطابق ہے۔ یعنی لاہور میں جس وقت 12 بجتے ہیں تو سارے پاکستان کی گھڑیوں میں 12 کا ہی وقت ہوتا ہے۔ لاہور کی طرح ڈھاکہ کا مقامی وقت بنگلہ دیش کے لیے معیاری وقت ہے اور بھارت کے لیے الہ آباد کا۔

ایشیا کے نقشے میں دیکھیے کہ لاہور اور ڈھاکہ میں قریباً 15 درجے طُول بلد کا فرق ہے۔ اِسی لیے پاکستان کے معیاری وقت اور بنگلہ دیش کے معیاری وقت میں 4×15=60 منٹ، یعنی ایک گھنٹے کا فرق ہے۔

مشق

(الف) 1- برِصغیر پاک و ہند کو برِاعظم ایشیا میں کن کن باتوں میں خاص اہمیت حاصل ہے؟

2- خطُوط عرض بلد کی مدد سے ہم کسی مقام کی آب و ہوا کا اندازہ کس طرح لگا سکتے ہیں؟

3- ہر ملک کے لیے معیاری وقت مقرر کرنا کیوں ضروری ہے؟

4 ۔ ’الف‘ مقام 20 درجے مشرقی طُول بلد پر واقع ہے اور وہاں صُبح کے آٹھ بجے ہیں تو بتائیے ’ب‘ مقام پر اس وقت کیا وقت ہوگا جو 40 درجے مشرقی طُول بلد پر واقع ہے ؟

5 ۔ وقت کیا وقت ہوگا جو 40 درجے مشرقی طُول بلد پر واقع ہے ؟

6 ۔ خالی جگہوں کو پُر کیجیے ۔

(i) .... آبادی کے لحاظ سے دُنیا کا سب سے بڑا ملک ہے ۔

(ii) .... نے .. .. میدان میں بے پناہ ترقی کی ہے ۔

(iii) کتاب میں دیے ہوئے نقشے میں پہاڑ .... سے دکھائے گئے ہیں ۔

(iv) ریاست جموں و کشمیر میں .... کی آبادی زیادہ ہے ۔

(ب) درست بیانات پر نشان (✓) لگائیے ۔

(i) خطُوطِ طُول بلد کی مدد سے کسی جگہ کا محلِ وقوع معلوم کیا جا سکتا ہے ۔

(ii) خطُوطِ عرض بلد کی مدد سے کسی مقام کے وقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

(iii) خطُوطِ طُول بلد اور خطُوط عرض بلد کی مدد سے کسی جگہ کا محلِ وقوع معلوم کیا جا سکتا ہے ۔

(iv) جو مقامات ہم سے مغرب میں واقع ہیں، وہاں دوپہر بعد میں ہوتی ہے ۔

(v) برِصغیر پاک و ہند کی مغربی سرحد 60 درجے مشرقی طُول بلد سے شروع ہوتی ہے ۔

(vi) پاکستان کی مغربی سرحد 60 درجے مشرقی طُول بلد سے شروع ہوتی ہے ۔

(ج) عملی کام : سکول کے صحن میں لوہے کی سلاخ گاڑ کر عین دوپہر کا وقت معلوم کریں، اور پھر کاپی پر ایک گھڑی بنا کر آدھی رات کا وقت دکھائیں ۔



ایشیا
تقسیم اوقات
یہ گھڑیاں بتاتی ہیں کہ جس وقت گرینچ میں بارہ بجتے ہیں تو گرینچ
وقت کے مطابق دوسرے ملکوں میں کیا وقت ہوگا۔
کلومیٹر 0 1000 2000 3000 کلومیٹر
خط استوا
خط جدی
آسٹریلیا
60
20
0
20
40
60
80
120
140
160
180
60
40
20
0
20
120
60
80
100

سطحِ زمین

زمین کی سطح کہیں تو سخت پتھّروں سے بنی ہوئی ہے ، کہیں چکنی مٹّی پائی جاتی ہے اور کہیں محض دَلدل یا کیچڑ ہی نظر آتا ہے ۔ جغرافیے میں ان تمام چیزوں کو 'چٹان' کہتے ہیں ۔ چٹانوں کی تین بڑی قسمیں ہیں :۔

1۔ تہ دار چٹانیں 2 ۔ آتشی چٹانیں 3 ۔ تبدیل شُدہ چٹانیں

تہ دار چٹانیں

برِاعظم ایشیا کے وسط میں پہاڑوں کے وسیع سلسلے شرقاً غرباً پھیلے ہُوئے ہیں ۔ آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ جہاں آج کل دُنیا کے بلند ترین پہاڑ واقع ہیں، وہاں کروڑوں سال پہلے ایک بہت بڑا سمندر تھا ۔ اس کے شمال میں سائبیریا کی سطح مُرتفع اور جنوب میں دکن اور عرب کی سطُوح مُرتفع واقع تھیں ۔ ان سطوح مُرتفع کی بلندی موجُودہ بلندی سے کہیں زیادہ تھی ۔ ان دونوں علاقوں کے دریا کروڑوں سال اس سمندر میں گرتے رہے اور ریت اور مٹّی کی تہیں بچھاتے رہے اور اس طرح سمندر کی تہ بلند ہونا شروع ہو گئی ۔ دریاؤں سے لائی ہوئی ریت کے علاوہ مُردہ سمندری جانوروں کی ہڈیاں اور پنجر بھی تہ در تہ جمع ہوتے گئے ۔ ساتھ ہی ساتھ سطح زمین کے اندرونی حصّوں میں کچھ ایسی تبدیلیاں رُونما ہونی شروع ہوئیں کہ سمندر کے دونوں جانب کی سطوح مُرتفع نہ صرف آہستہ آہستہ زمین کے اندر دھنسنی شروع ہوگئیں بلکہ نیچے سے ایک دوسرے کے قریب آنے لگیں ۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ سمندر کی درمیانی سطح دونوں طرفوں کے دباؤ کے زیرِ اثر اُوپر اُٹھنا شروع ہو گئی ۔ یہ عمل کافی عرصہ تک جاری رہا حتیٰ کہ سمندر کی تہ اردگرد کی سطُوح مُرتفع سے کافی بلند ہو گئی اور اس طرح سمندر کی جگہ بلند پہاڑوں نے لے لی ۔ کیونکہ پہاڑوں کے یہ سلسلے تہ در تہ مٹّی ، ریت اور جانوروں کی ہڈیوں کے اکٹھے ہونے سے بنے ہُوئے ہیں ، اس لیے یہ پہاڑ 'تہ دار چٹانوں کے پہاڑ' کہلاتے ہیں ۔ ایسی تہ دار چٹانوں سے بنے ہُوئے پہاڑ دُنیا کے اور حصّوں میں بھی پائے جاتے ہیں ۔

ان بلند پہاڑوں پر بارش ہونے کے باعث وہاں سے ندی ، نالے اور دریا بہنے شروع

ہو گئے - اِن دریاؤں کا رُخ جنوب میں واقع سطوح مُرتفع کی طرف تھا - اِن سطوح مُرتفع کے کنارے نیچے دب گئے اور ان کی طرف بہنے والے دریا اپنے ساتھ لائی ہُوئی ریت اور مٹی ان علاقوں میں بچھانے لگے اور اس طرح ان پہاڑوں سے نکلنے والے دریا برِصغیر پاک و ہند کے شمالی میدان میں



تہ دار چٹانیں

لاکھوں سالوں سے بہ رہے ہیں اور اب تک کئی میٹر گہری ریت اور مٹی کی تہیں جم گئی ہیں۔ پس معلوم ہُوا کہ دریائی میدان بھی تہ دار چٹانوں سے بنتے ہیں - ایسی چٹانیں پانی کے عمل سے بنی ہیں، اِس لیے اِنھیں 'آبی چٹانیں' بھی کہتے ہیں -

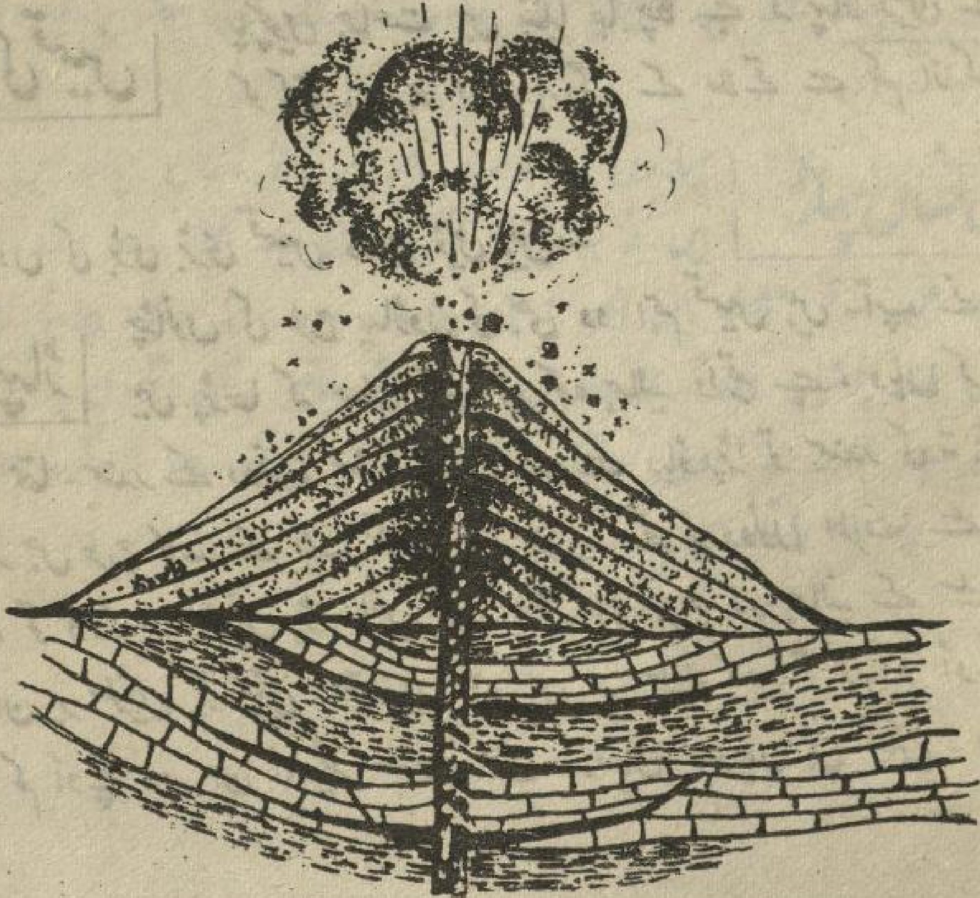
آتشی چٹانیں

ہماری زمین نہایت ہی گرم مادے سے بنی تھی - آہستہ آہستہ سطحِ زمین تو ٹھنڈی ہو گئی مگر اس کا اندرونی حصّہ گرم ہی رہا اور اب بھی یہ حصّہ بہت گرم ہے - ہر ٹھوس، مائع یا گیس گرم ہونے سے پھیلتی ہے اور اُوپر اُٹھنے کی کوشش کرتی ہے - اس طرح زمین کا گرم مادہ بھی باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے - اِس عمل کو 'آتش فشانی کا عمل' کہتے ہیں اور ایسی سطحِ زمین جو آتش فشانی کے عمل سے بنی ہو، اُسے 'آتشی چٹانیں' کہتے ہیں - پاکستان کے صوبہ

بلوچستان کے کچھ حصے اور سطح مرتفع دکن میں ایسی ہی چٹانیں پائی جاتی ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ یہ گرم مادہ زمین سے باہر کیسے نکلتا ہے۔

آتش فشانی کا عمل

زمین کا گرم مادہ سطح زمین پر ایسی جگہیں تلاش کرتا ہے جہاں اسے کوئی دراڑ یا سوراخ مل جائے یا کہیں سے سطح زمین نرم ہو تاکہ گرم مادہ اپنے زور سے اُسے پھاڑ دے۔ جُونہی اس مادے کو راستہ ملتا ہے تو وہ باہر نکل کر بہنے لگتا ہے۔ اس گرم مادے کو 'لاوا' کہتے ہیں اور اس عمل کو 'آتش فشانی کا عمل' کہتے ہیں۔ جب تک لاوے کا زور رہتا ہے، لاوا نکلتا ہے اور بہتا رہتا ہے۔ ہم اُسے 'زندہ آتش فشاں پہاڑ' کہتے ہیں۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ لاوے کا زور وقتی طور پر اتنا کم ہو جاتا ہے کہ لاوا نکلنا بند ہو جاتا ہے اور دراڑیں اور سُوراخ بھی مٹی یا سرد لاوے سے بند ہو جاتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد پھر لاوا اِنہیں دراڑوں اور سوراخوں پر نیچے سے زور ڈالتا ہے تو وہ راستے پھر کھُل جاتے ہیں اور آتش فشانی کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔ ایسے آتش فشاں پہاڑوں کو خفتہ آتش فشاں پہاڑ کہتے ہیں۔ یہ خفتہ آتش فشاں پہاڑ بہت خطرناک ہوتے ہیں، کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ آتش فشانی بند ہو گئی ہے، اس لیے وہاں پھر رہنا شروع کر دیتے ہیں،



لیکن اچانک آتش فشاں پہاڑ پھر پھٹ پڑتا ہے جس سے بعض اوقات کافی جانی اور مالی نقصان ہو جاتا ہے۔

زمین کے وہ حصّے جو بہت ہی پرانی چٹانوں سے بنے ہُوئے ہیں اور اب وہاں مزید آتش فشانی کی کوئی توقع نہیں، اُنھیں 'مُردہ آتش فشاں پہاڑ' کہتے ہیں۔ وہاں کے لوگوں کو مزید آتش فشانی کا کوئی خطرہ نہیں اور وہ پُرسکون زندگی گزار سکتے ہیں۔

تبدیل شدہ چٹانیں

ویسے تو چٹانوں کی مشہور قسمیں دو ہی ہیں، یعنی تہ دار یا آبی چٹانیں اور آتشی چٹانیں۔ لیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کہیں کہیں یہ دونوں قسموں کی چٹانیں زمین کی اندرُونی تبدیلی کی وجہ سے دَب جاتی ہیں۔ اندرونی گرمی اور دباؤ کی وجہ سے وہ اپنی اصلی حالت کھو بیٹھتی ہیں۔ وہ تہ دار چٹان ہے لیکن دباؤ کی وجہ سے تہوں کی خاصیت کھو بیٹھتی ہے جس کی وجہ سے تہ دار چٹان پر آتشی چٹانوں اور آتشی چٹانوں پر تہ دار چٹانوں کا گمان ہوتا ہے۔ سنگِ مرمر کا پتھر اِس قسم کی ایک بہت اچھی مثال ہے۔ یہ پہلے چُونے کا پتھر تھا لیکن دباؤ کی وجہ سے اس کی تہیں آپس میں رل گئیں اور اُس نے ایک نئی شکل اختیار کر لی جِسے ہم 'سنگِ مرمر' کہتے ہیں۔

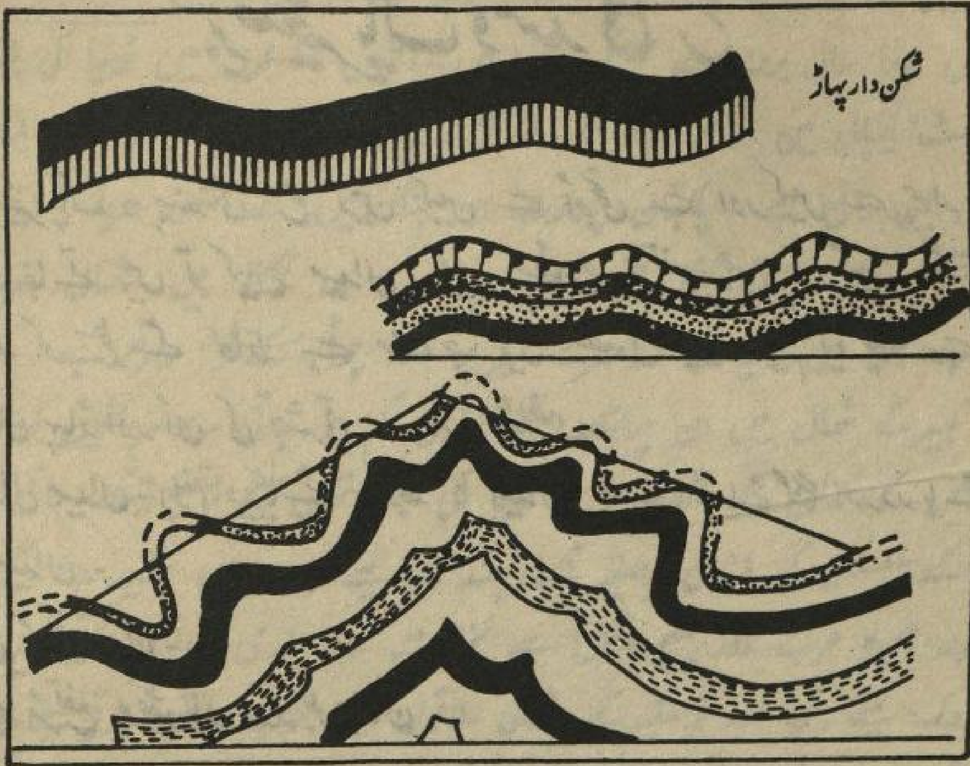
پہاڑوں کی قسمیں

پانچویں جماعت میں بتایا جا چُکا ہے کہ پہاڑ زمین کے بلند حصّے کو کہتے ہیں جو اپنے اِردگرد کے علاقے سے کم از کم 900 میٹر اُونچا ہو۔

پہاڑوں کی بڑی بڑی قسمیں درج ذیل ہیں:-

شِکن دار پہاڑ

چٹانوں کی طرح پہاڑوں کی بھی دو اہم قسمیں ہیں۔ آپ نے اِسی باب میں پڑھا کہ جہاں آج کل کوہ ہمالیہ واقع ہے، وہاں کروڑوں سال پہلے سمندر تھا۔ سمندر کے دونوں پہلوؤں کی طرف سے دباؤ پڑا تو سمندر کی تہ بلند ہونا شرُوع ہو گئی اور جس طرح کاغذ کے ایک ٹکڑے کو میز پر رکھ کر دونوں اطراف سے ہاتھ سے دبایا جائے تو کاغذ پر سلوٹیں پڑ جائیں گی، بالکل اسی طرح کوہ ہمالیہ کے سلسلے بلند ہو گئے اور ان پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ متوازی شکل میں یہ سلسلے کہیں تو زیادہ اُونچے ہو گئے اور کہیں کم اُونچے اور ان اُونچے سلسلوں کے درمیان وادیاں بن گئیں۔ ایسے پہاڑوں



کو شکن دار پہاڑ کہتے ہیں۔ ایشیا کے علاوہ دُنیا کے باقی حصّوں میں بھی شکن دار پہاڑ پائے جاتے ہیں۔

آتش فشاں پہاڑ

پہاڑوں کی دُوسری اہم قسم آتش فشاں پہاڑ ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ پہاڑ آتش فشانی کے عمل سے وجُود میں آئے، اِس لیے ان میں نہ تو سلسلے ہیں اور نہ ہی وادیاں۔ یہ پہاڑ بہت پرانے ہیں، اِس لیے ان میں بلند چوٹیاں اور گہری وادیاں نہیں پائی جاتیں۔ کئی جگہوں پر سطح ہموار سی ہو گئی ہے اور اب وہاں باقاعدہ کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ دکن (بھارت) میں ایسے ہی پہاڑ پائے جاتے ہیں۔

بّرِصغیر پاک وہند کی سطح

بّرِصغیر پاک و ہند کی سطح زمین کہیں سے اُونچی ہے اور کہیں سے ہموار۔کہیں بلند پہاڑ پائے جاتے ہیں تو کہیں میدان ۔کہیں سطوح مُرتفع ہیں تو کہیں ریگستان۔ بّرِصغیر پاک و ہند کو سطح کے لحاظ سے مندرجہ ذیل حِصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔

1 - شمالی پہاڑ اور اُن کی مشرقی اور مغربی شاخیں ۔
2 - شمالی میدان -(ا) دریائے سندھ کا میدان (ب) دریائے گنگا اور دریائے برہم پُتر کا میدان ۔
3 - سطح مُرتفع دکن ۔
4 - سطح مُرتفع پوٹھوہار اور بلوچستان ۔
5 - ساحلی میدان ۔
6 - صحرا

ا - شمالی پہاڑ اور اُن کی مشرقی اور مغربی شاخیں

بّرِصغیر پاک و ہند کے شمال میں کوہ ہمالیہ کے سلسلے کمان کی صُورت میں شرقاً غرباً پھیلے ہُوئے ہیں ۔ان سلسلوں کی لمبائی قریباً 2560 کلومیٹر ہے ۔اِن سلسلوں میں دُنیا کے بلند پہاڑ واقع ہیں ۔

اگر بّرِصغیر پاک و ہند کے شمالی میدان سے شمال کی طرف سفر کریں تو پہلے کوہ ہمالیہ کے کم بلند پہاڑ نظر آئیں گے ۔اُنھیں "تلہٹی کے پہاڑ" کہتے ہیں ۔

تلہٹی کے ختم ہوتے ہی کوہ ہمالیہ کی بلندی یک دم بڑھنی شروع ہو جاتی ہے۔ ان پہاڑوں کو 'کوہ ہمالیہ صغیر' کہتے ہیں ۔ پاکستان کا بیشتر پہاڑی علاقہ اِنھیں سلسلوں میں واقع ہے ۔ پاکستان کے صحت افزا مقامات کوہ مری، ایوبیہ، نتھیا گلی اور زیارت اور بھارت کے صحت افزا مقامات شملہ ، ڈلہوزی ، نینی تال بھی اِنھیں سلسلوں میں واقع ہیں۔ان پہاڑوں پر بارش کافی ہوتی ہے ، اس لیے جنگلات بکثرت پائے جاتے ہیں ۔ اِن جنگلات میں نرم

لکڑی کے درخت ملتے ہیں جن سے فرنیچر اور عمارتی سامان تیّار کیا جاتا ہے۔

مزید شمال میں کوہ ہمالیہ کے بلند ترین سلسلے شرُوع ہوتے ہیں جنھیں ہمالیہ کبیر کہتے ہیں۔ ان کی چوٹیاں سارا سال برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ اِنھیں سلسلوں میں دُنیا کی بلندترین چوٹی 'ماؤنٹ ایورسٹ' نیپال میں واقع ہے اور بلندی کے لحاظ سے دُنیا کی دوسری بلندترین چوٹی 'کے-ٹو' پاکستان میں واقع ہے۔ پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کے مشہور دریا، دریائے سندھ، دریائے برہم پُتر اور دریائے گنگا بھی اِنھیں پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ شمال مغرب میں کوہ قراقرم واقع ہے جس میں دُنیا کی دُوسرے نمبر پر بلند چوٹی 'کے-ٹو' واقع ہے۔

کوہ ہمالیہ کبیر کے شمال میں ان پہاڑوں کی بلندی کم ہو جاتی ہے۔ اِنھیں کوہ لداخ کے سلسلے کہتے ہیں۔ کوہ لداخ کے شمال میں دُنیا کی بلند ترین سطح مُرتفع تبّت واقع ہے۔

کوہ ہمالیہ کے سلسلوں کی بلندی برِصغیر پاک و ہند کے لیے بہت ہی مفید ہے۔ گرمیوں کے موسم میں جب بحیرۂ عرب اور خلیج بنگال سے بُخارات سے لدی ہوائیں آتی ہیں تو یہ پہاڑ اُنھیں روک لیتے ہیں اور برِصغیر کے شمالی علاقوں میں خوب بارش ہوتی ہے۔ سردیوں کے دنوں میں سائبیریا اور تبّت کی سرد ہوائیں برِصغیر کی طرف آنا چاہتی ہیں تو یہ پہاڑ انھیں روک لیتے ہیں اور اس طرح برِصغیر کے لوگ ان برفانی سرد ہواؤں کی زَد سے محفوظ رہتے ہیں۔

مغربی شاخیں : پاکستان کی مغربی سرحد کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کے سلسلے شمال سے جنوب کی جانب پھیلے ہُوئے ہیں۔ شمال میں انھیں 'کوہ سفید'، درمیانی حِصّے میں 'کوہ سلیمان' اور جنوب میں 'کوہ کیرتھر' کہتے ہیں۔ یہ پہاڑ کوہ ہمالیہ کی نسبت کم بلند ہیں۔ یہاں بارش کم ہونے کی وجہ سے جنگلات بھی نہیں پائے جاتے، اِس لیے انھیں عبُور کرنا آسان ہے۔ ان پہاڑوں کو کاٹتے ہُوئے دریا مغرب کی طرف سے بہتے ہیں۔ ان دریاؤں کے کنارے کم بلند اور کچھ حد تک ہموار ہونے کی بدولت آمدورفت کے لیے بہت مفید ہیں۔ ایسے راستوں کو درّہ کہتے ہیں۔ ان درّوں کے راستے لوگ بھی آتے جاتے ہیں اور تجارت بھی ہوتی ہے۔ ان میں سے مشہور درّے، درّہ خیبر، درّہ کرم، درّہ ٹوچی اور درّہ بولان ہیں۔

مشرقی شاخیں : کوہ ہمالیہ کی مشرقی شاخیں بھارت کے صُوبہ آسام میں واقع ہیں۔

انھیں شاخوں کے سلسلے بنگلہ دیش کے پہاڑی علاقے چٹاگانگ میں واقع ہیں۔ان پہاڑوں پر گرمیوں میں خوب بارش ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی ڈھلانیں گھنے جنگلات سے ڈھکی ہوئی ہیں۔

2۔شمالی میدان

کوہ ہمالیہ کے دامنی علاقے اور جنوب میں سطح مرتفع دکن کے درمیان دُنیا کے مشہور دریائی میدان پائے جاتے ہیں۔مغرب میں دریائے سندھ کا میدان ہے اور مشرق میں دریائے گنگا اور دریائے برہم پُتر کا میدان۔آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ میدان اس زرخیز مٹّی سے بنے ہیں جو کوہِ ہمالیہ سے نکلنے والے دریا ہزاروں سالوں سے یہاں بچھاتے رہے ہیں۔

3۔سطح مُرتفع دکن

بھارت کے جنوبی حِصّے میں دکن کی سطح مُرتفع واقع ہے۔یہ سطح مُرتفع، آتشی چٹانوں سے بنی ہُوئی ہے۔آج سے کروڑوں سال پہلے یہاں آتش فشانی ہوتی رہی ہے اور اس کی سطح اس لاوے سے بنی ہُوئی ہے جو آتش فشانی کے وقت اِدھر اُدھر پھیلتا رہا۔کافی عرصہ گزرنے کے بعد یہ آتشی چٹانیں ٹوٹ پھُوٹ گئیں اور ایسی سطح زمین وجُود میں آگئی جہاں درخت وغیرہ اُگنے لگے۔اور جب انسان نے کھیتی باڑی کرنا سیکھا تو اس علاقے میں فصلیں بھی کاشت ہونے لگیں۔ایسی مٹی کپاس کی کاشت کے لیے بہت مفید ہوتی ہے۔

اس سطح مُرتفع کے مغربی اور مشرقی کنارے اندرُونی حِصّے سے اُونچے ہیں۔مغربی حِصّے کو مغربی گھاٹ کے پہاڑ اور مشرقی حِصّے کو مشرقی گھاٹ کے پہاڑ کہتے ہیں۔مغربی گھاٹ کے پہاڑ بلند بھی ہیں اور بارش ہونے کی وجہ سے جنگلات سے ڈھکے ہُوئے ہیں۔مشرقی گھاٹ کے پہاڑ کم بلند ہیں۔یہاں بارش بھی کم ہوتی ہے اور دریا بھی ڈیلٹا بنا کر خلیج میں گرتے ہیں۔

4۔سطح مُرتفع پوٹھوہار اور بلوچستان

پاکستان میں دریائے جہلم اور دریائے سندھ کے درمیان شمالی وسطی حِصّے میں کوہِ نمک اور سطح مُرتفع پوٹھوہار واقع ہے۔یہ سطح مُرتفع، سطح سمندر سے قریباً 600 میٹر بلند ہے۔یہاں بارش کی وجہ سے زمین میں بہت سے گہرے کٹاؤ پڑ گئے ہیں۔برسات کے موسم میں بہنے والے ندی نالے اکثر طغیانی کا باعث بنتے ہیں اور اپنے ساتھ لائے ہُوئے کنکر اور پتّھر

کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھیر دیتے ہیں ۔ کوہِ نمک میں دنیا کی سب سے بڑی معدنی نمک کی کان پائی جاتی ہے ۔ نمک کے علاوہ یہاں سے کوئلہ ، جپسم اور معدنی تیل بھی نکلتا ہے ۔
بلوچستان کی وسیع سطح مُرتفع پاکستان کے جنُوب مغربی حصّے میں واقع ہے ۔ کوہ سلیمان اور کوہ کیر تھر اسے دریائے سندھ کی وادی سے جُدا کرتے ہیں ۔ اس کی بلندی بھی سطح مُرتفع پوٹھوہار کی طرح کوئی اتنی زیادہ نہیں البتّہ شمال مشرق میں کچھ بلند پہاڑی سلسلے واقع ہیں ۔ سطح مُرتفع بلوچستان کا شمال مغربی حِصّہ ریگستان ہے ۔ باقی حِصّے میں بھی سنگلاخ چٹانیں ہیں ۔ بلوچستان میں کوئی بھی ایسا بڑا دریا نہیں جو سمندر تک پہنچتا ہو ۔ دریاؤں اور ندی نالوں کا رُخ زیادہ تر اندر کی طرف ہے ۔ سطح مُرتفع بلوچستان بھی معدنی دولت سے مالا مال ہے ۔ یہاں قدرتی گیس ، کرومائیٹ ، کوئلہ اور تانبے کے بہت بڑے ذخائر پائے جاتے ہیں ۔

5- ساحلی میدان

بھارت میں مغربی گھاٹ اور بحیرہ عرب کے درمیان مغربی ساحلی میدان اور مشرقی گھاٹ اور خلیج بنگال کے درمیان مشرقی ساحلی میدان واقع ہیں ۔ یہ ساحلی میدان کافی زرخیز ہیں ۔ مشرقی ساحلی میدان میں بہنے والے دریاؤں سے نہریں نکال کر کاشت کاری بھی کی جاتی ہے ۔

پاکستان کے قریباً 800 کلومیٹر ساحل کے ساتھ ساحلی میدان واقع ہے ۔ اس ساحلی میدان میں بارش کم ہوتی ہے ۔ مدّوجزر کے دَوران پانی اُترتا اور چڑھتا رہتا ہے ۔

بنگلہ دیش میں ساحلی میدان ، دریائے گنگا اور دریائے برہم پُتر کے ڈیلٹائی علاقے پر مشتمل ہے ۔ یہاں پانی اکثر کھڑا رہتا ہے ۔ سُندربن کے جنگلات ، ڈیلٹائی علاقے میں پائے جاتے ہیں ۔ برسات کے موسم میں یہ علاقہ پانی میں اکثر ڈُوبا رہتا ہے ۔

6- صحرا

پاکستان کے جنوب اور اس کے ساتھ بھارت کے صُوبہ راجستھان میں ایک بہت وسیع ریگستان پایا جاتا ہے ، اسے تھر کہتے ہیں ۔ یہاں ریت کے ٹیلے تیز ہواؤں کے زیرِ اثر اپنا رُخ تبدیل کرتے رہتے ہیں ۔ بہاولپور کمشنری میں اِسے چولستان کا ریگستان کہتے ہیں ۔ اِس ریگستان کے شمالی حِصے جو پاکستان میں واقع ہیں ، وہاں نہروں کی بدولت خوب آبپاشی ہونے لگی ہے اور یہ علاقہ اب سرسبز و شاداب ہو گیا ہے ۔

مشق

(ا) 1۔ جغرافیائی لحاظ سے چٹان کسے کہتے ہیں ؟

2۔ کوہ ہمالیہ کس طرح وجود میں آیا ؟

3۔ دریائے سندھ کے میدان کی مٹی بہت زرخیز ہے ، وجہ بتائیے ؟

4۔ خفتہ آتش فشاں پہاڑ کیوں خطرناک ہوتے ہیں ؟

5۔ شکن دار پہاڑ کس طرح بنتے ہیں ؟ برِصغیر پاک و ہند میں اس قسم کے پہاڑ کہاں کہاں واقع ہیں ؟

6۔ شمالی پہاڑوں کی مشرقی اور مغربی شاخوں میں کیا نمایاں فرق ہے ؟

7۔ درّہ کسے کہتے ہیں ؟ شکل بنا کر واضح کریں ۔

8۔ سطح مُرتفع بلوچستان اور سطح مُرتفع پوٹھوہار کن کن باتوں میں ملتی جلتی ہیں ؟

9۔ دریائے گنگا اور دریائے سندھ کے ڈیلٹائی علاقوں میں کیا نمایاں فرق ہے ؟

10۔ سمندر کے ساحلی علاقوں میں پانی کیوں اُترتا اور چڑھتا رہتا ہے ؟

(ب)



اس شکل میں موزوں حصّوں پر پہاڑ ، سطح مُرتفع اور میدان کا نام لکھیں ۔

(ج) **عملی کام**

1۔ مٹی ، کنکر اور لکڑی کے ٹکڑوں کی مدد سے برِصغیر پاک و ہند کی سطح کا ماڈل بنائیں ۔

2۔ آتش فشانی کے عمل کو ماڈل بنا کر واضح کریں ۔

3۔ مختلف چٹانوں کے نمونے جمع کریں اور اُن پر لیبل لگائیں ۔

زمین کی حرکات

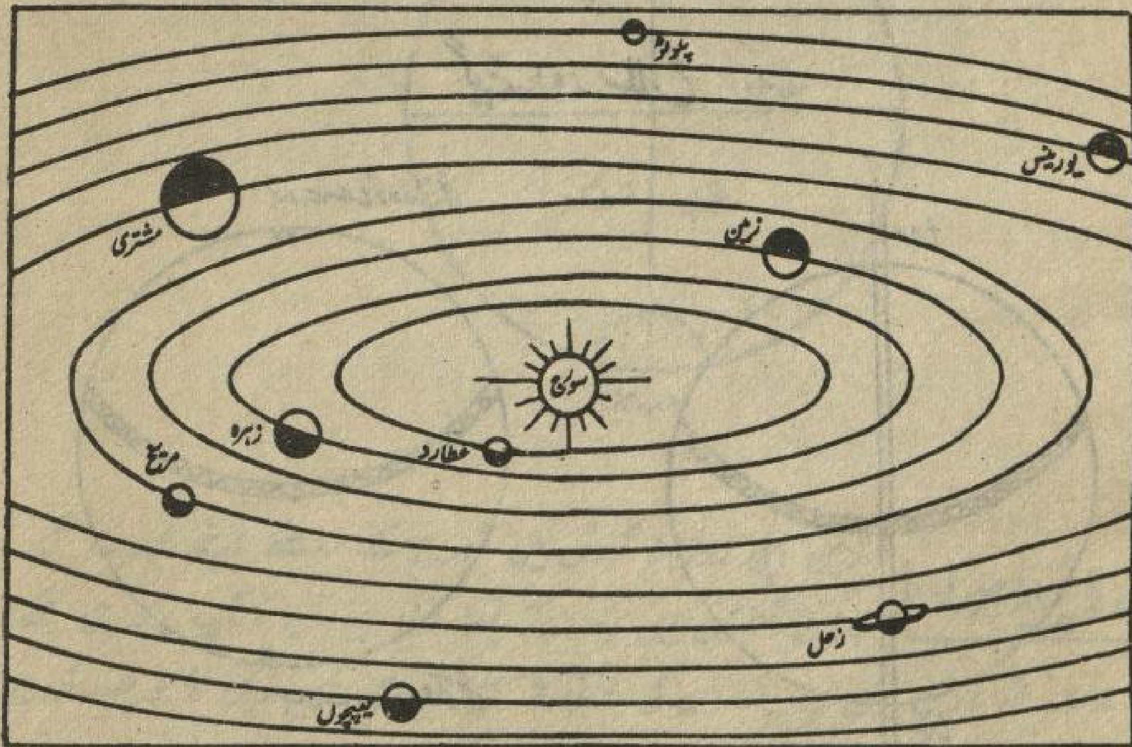
نظامِ شمسی

مطلع صاف ہو تو رات کے وقت ہزاروں تارے آسمان پر جگ مگ جگ مگ کرتے نظر آتے ہیں - لیکن جوں جوں صبح کی سفیدی نظر آنے لگتی ہے ، تارے نظروں سے غائب ہونے لگتے ہیں - دراصل دن کے وقت بھی تارے تو موجود ہی ہوتے ہیں، لیکن سورج کی روشنی کے باعث وہ نظر نہیں آتے -

تاروں کے بہت سے مجموعے ہیں - ہماری زمین بھی اس قسم کے ایک مجموعے میں شامل ہے -۔ اس مجموعے کا سب سے اہم تارہ سورج ہے - سورج کے علاوہ نو بڑے اور چھوٹے 'اجرامِ فلکی' شامل ہیں - کیونکہ یہ سب کے سب سورج کے گرد گھومتے ہیں، اس لیے ہم اِن کو سیارے کہتے ہیں -

چاند ، سورج اور سیارے ایک ہی کنبے سے تعلق رکھتے ہیں - سورج اِن تمام کو روشنی اور حرارت

نظامِ شمسی، اجرامِ فلکی



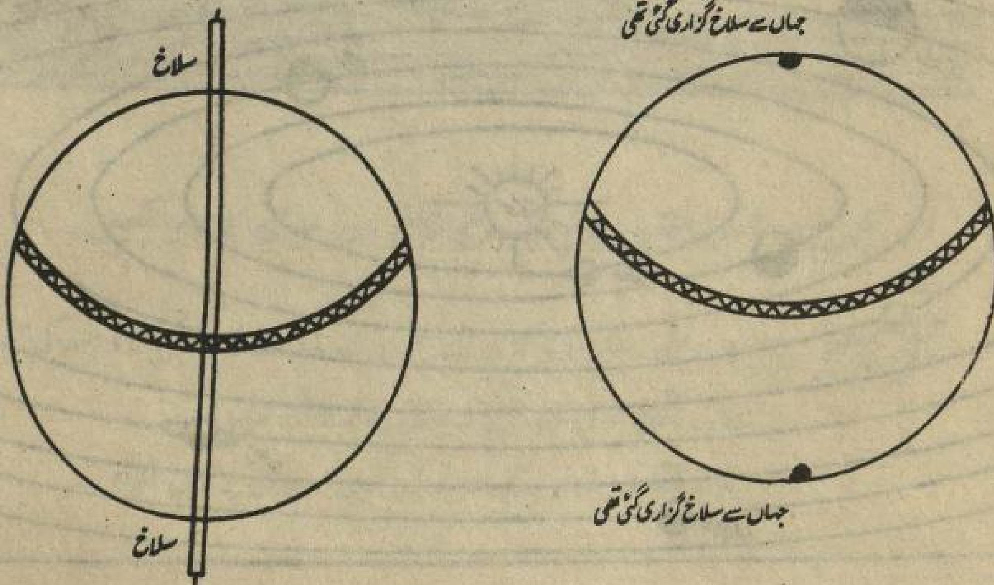
بخشتا ہے۔ اگر سورج ہماری زمین کو حرارت اور روشنی نہ بخشے تو یہاں زندگی کی کوئی علامت نظر نہ آئے۔ سورج کے مقابلے میں یہ سیّارے بہت ہی چھوٹے ہیں۔

زمین کی گردشیں

باقی تمام سیّاروں کی طرح زمین بھی سورج کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ زمین یہ چکّر ایک سال میں پورا کرتی ہے، اِس لیے اِسے زمین کی سالانہ گردش کہتے ہیں۔ اِس کے علاوہ زمین اپنے محور کے گرد بھی گھومتی ہے اور یہ چکّر چوبیس گھنٹوں میں پورا کرتی ہے۔ اِسے زمین کی روزانہ گردش کہتے ہیں۔

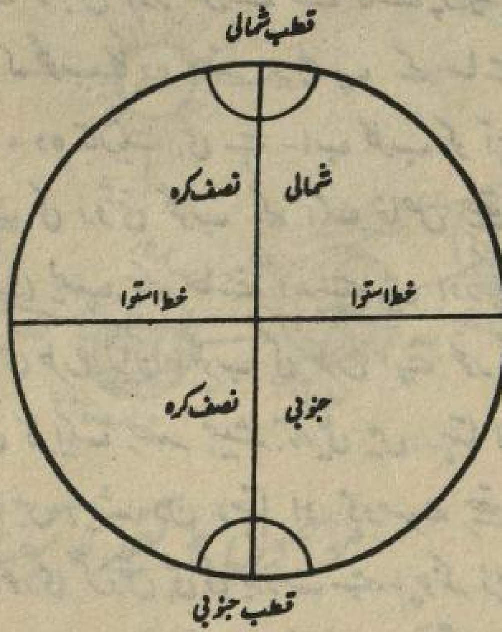
زمین کی روزانہ گردش کو 'محوری گردش' بھی کہتے ہیں کیونکہ زمین یہ گردش اپنے محور کے گرد کرتی ہے۔

محور آئیے بائیسکل یا موٹر کے پہیّے کو گھومتے ہوئے دیکھیں۔ پہیّہ اپنے دُھرے پر گھوم رہا ہے۔ یہ دُھرا 'پہیّے کا محور' ہے۔ اِسی طرح لٹّو، کیل کے گرد گھومتا ہے۔ کیل، 'لٹّو کا محور' ہے۔ گلوب کو گھمائیں تو وہ اس سلاخ کے گرد گھومے گا جو اس کے درمیان ڈالی گئی ہے۔ یہ سلاخ اس 'گلوب کا محور' ہے۔ اب آپ گیند لیں۔ اس کے بیچوں بیچ ایک باریک سی لوہے کی سلاخ گزاریں۔



سلاخ کا ایک سِرا میز پر رکھیں۔ دُوسرے سِرے کو ایک ہاتھ کے انگوٹھے سے دبائیں اور دوسرے ہاتھ سے گیند کو گھمانا شروع کریں۔ سلاخ جس کے گِرد گیند گھوم رہا ہے، گیند کا محور ہے۔ اب گیند میں سے سلاخ نکال لیں اور ہاتھ سے گیند کو اِس طرح گھمائیں کہ سلاخ کا ایک طرف کا چھید میز پر ہو۔ ایسا معلوم ہوگا کہ گیند دو چھیدوں کے اِرد گرد گھوم رہی ہے۔ نیچے دی ہوئی شکل میں زمین کے وسط میں شمالاً جنوباً ایک خط کھینچا ہُوا نظر آتا ہے۔ اس فرضی خط کو زمین کا محور کہتے ہیں۔ اِس کے اُوپر کے سرے کا نام 'قطب شمالی' اور نچلے سرے کا نام 'قطب جنُوبی' ہے۔ آپ نے خطوط عرض بلد کے بارے میں پڑھا ہے۔ خطِ استوا اُن میں سے ایک خط ہے جو قطب شمالی اور قطب جنُوبی سے برابر فاصلے پر کھینچا ہوا فرض کیا گیا ہے اور زمین کو دو حِصّوں میں تقسیم کرتا ہے۔ شمالی حِصّے کو شمالی نصف کرہ اور جنُوبی حِصّے کو جنوبی نصف کرہ کہتے ہیں۔

زمین کا محور

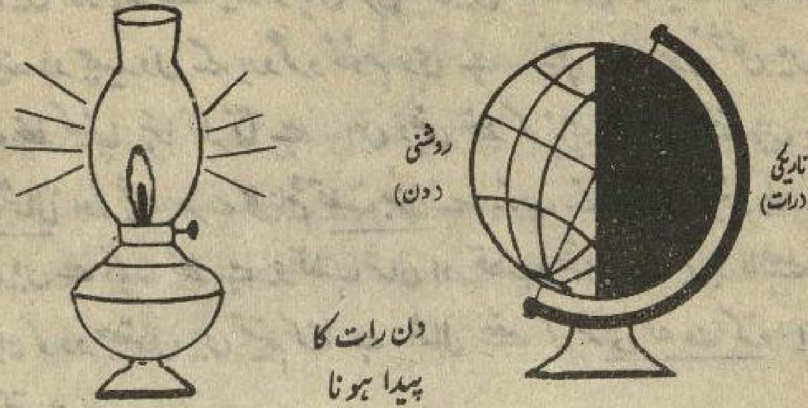


دِن رات کا پیدا ہونا

زمین اپنی روزانہ گردش میں سُورج کے سامنے اپنے محور کے گِرد چوبیس گھنٹوں میں ایک چکر پُورا کرتی ہے۔ یہ تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ زمین بذاتِ خود روشن نہیں ہے بلکہ اس کی روشنی کا منبع سُورج ہے۔ زمین کا جو حِصّہ سُورج کے سامنے ہوتا ہے، وہ روشن ہو جاتا ہے اور ہم اُسے دن کہتے ہیں اور جو حِصّہ سورج سے پرے ہوتا ہے، وہاں سُورج کی شعاعیں نہیں پہنچ سکتیں، اس لیے وہ تاریک ہوتا ہے اور ہم اُسے رات

کہتے ہیں۔

آئیے ایک تجربہ کریں۔ کمرۂ جماعت کو جہاں تک ممکن ہو تاریک رکھیں۔



دن رات کا پیدا ہونا

میز پر ایک طرف گلوب رکھیں اور تھوڑے سے فاصلے پر لیمپ۔ دیا سلائی سے لیمپ کو روشن کرلیں۔ آپ دیکھیں گے کہ گلوب کا وہ حصّہ جو لیمپ کے سامنے ہے، روشن ہو گیا ہے اور جو لیمپ سے پرے ہے، وہ تاریک ہی ہے۔ اب گلوب کو آہستہ آہستہ مغرب سے مشرق کی طرف گھمائیں۔ پہلے تو لیمپ کی روشنی گلوب کے ایک خاص حصّے پر پڑ رہی تھی، لیکن اب گلوب کے تمام حصّے باری باری لیمپ کے سامنے آرہے ہیں اور کچھ دیر روشنی میں رہنے کے بعد پھر تاریکی میں جا رہے ہیں۔ اِسی طرح زمین، گلوب کی طرح اپنے محور کے گِرد گھوم رہی ہے۔ اگر زمین گھوم نہ رہی ہوتی تو اس کا ایک حِصّہ ہمیشہ تاریکی میں رہتا اور دوسرا حِصّہ ہمیشہ روشنی میں۔ یعنی زمین کے ایک حِصّے میں ہمیشہ دن رہتا اور دُوسرے حِصّے میں ہمیشہ رات۔ پس معلوم ہُوا کہ دِن رات کا پیدا ہونا محوری گردش ہی کی بدولت ہے۔ چونکہ زمین اپنی محوری گردش چوبیس گھنٹوں میں پُورا کرتی ہے، اس لیے دن رات کی مدت بھی چوبیس گھنٹے ہوتی ہے۔

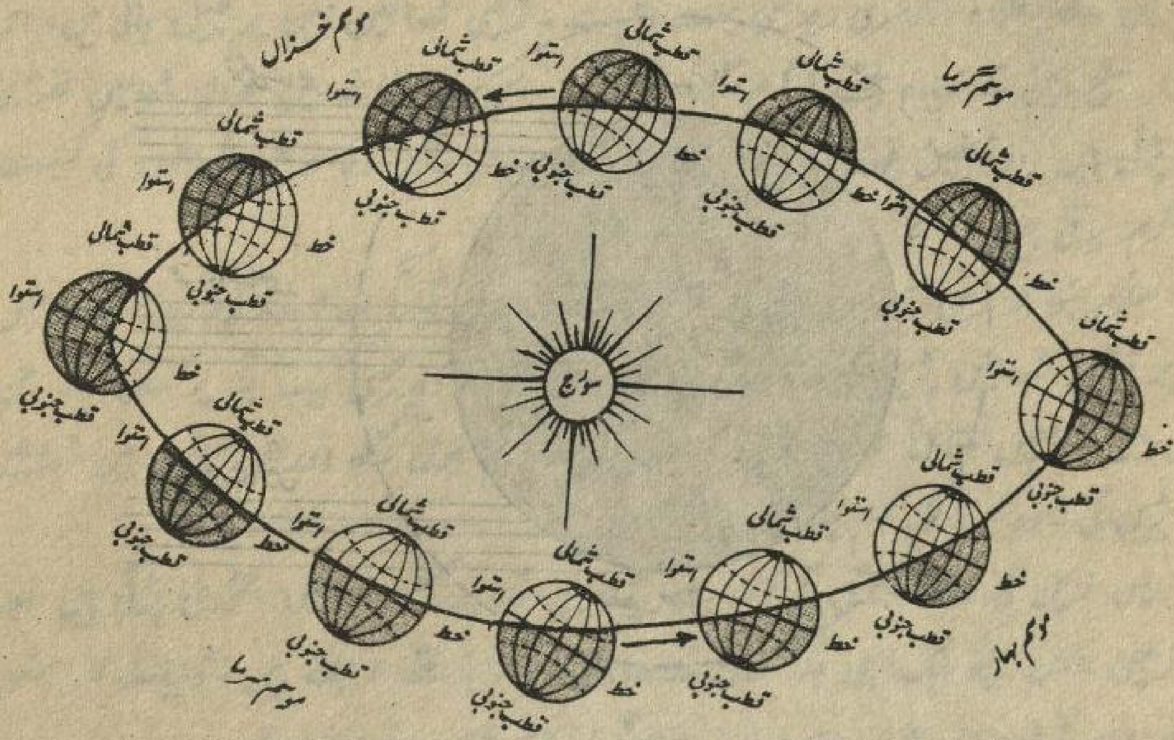
زمین کی سالانہ گردش

آپ نے پڑھا ہے کہ زمین نہ صرف مغرب سے مشرق کی طرف اپنے محور کے گرد گھومتی ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ سورج کے گِرد ایک سال یعنی **365** دن چھے گھنٹے میں چکّر لگاتی ہے۔ یہ راستہ جو زمین اپنی سالانہ گردش کے دوران سُورج کے گرد اختیار کرتی ہے، بالکل گول نہیں، بلکہ بیضوی شکل کا ہے۔ اس بیضوی راستے یا حلقے کو مدارِ ارضی کہتے ہیں۔

زمین کا محور، مدار ارضی پر عموداً واقع نہیں ہے۔ اگر زمین کا محور، مدارِ ارضی پر عموداً واقع ہوتا تو تمام

ڈنیا میں دن رات برابر ہوتے ۔ زمین کے تمام حِصّے سُورج سے برابر فاصلے پر رہتے اور ہر جگہ موسم بھی سارا سال ایک جیسا رہتا، لیکن ایسا نہیں ۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کا محور، مدارِ ارضی پر عموداً یعنی 90 درجے کا زاویہ نہیں بلکہ $66\frac{1}{2}$ درجے کا زاویہ بناتا ہے اور ہمیشہ اس صُورت میں جُھکا رہتا ہے ۔

مدارِ ارضی



موسموں کا تغیّر و تبدّل

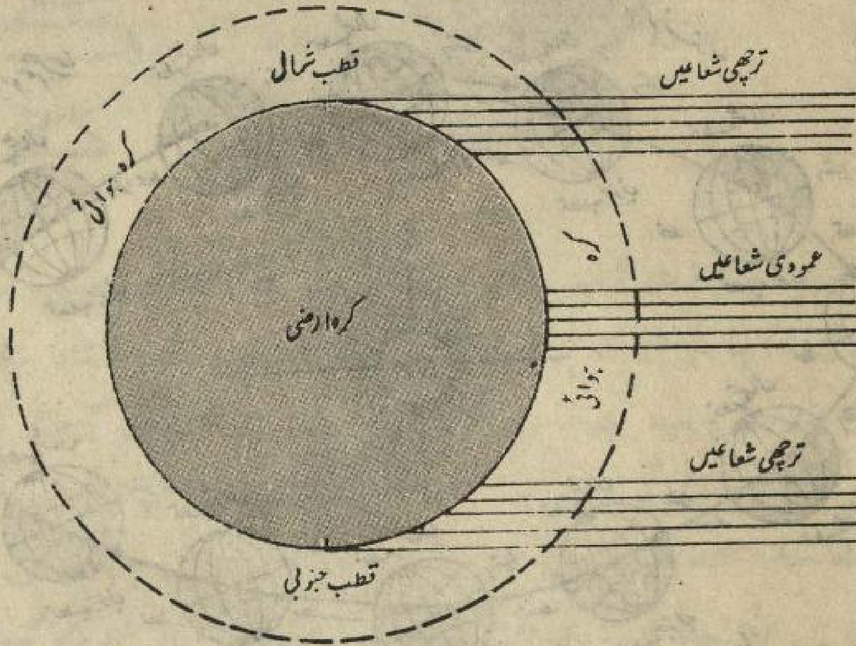
محورِ زمین کے ترچھا واقع ہونے اور ہمیشہ ایک ہی طرف جُھکا رہنے کی وجہ سے زمین کے ایک ہی حِصّے پر سُورج کی شعاعیں کبھی عمُودی پڑتی ہیں تو کبھی ترچھی ۔ کبھی دن لمبے ہوتے ہیں اور کبھی چھوٹے ۔ اس کمی و بیشی کی وجہ سے موسم بھی بدلتے رہتے ہیں ۔

عمُودی اور ترچھی شعاعیں

دن میں مختلف اوقات پر حرارت کی کمی و بیشی کا انحصار سُورج کی شعاعوں پر ہے ۔ صُبح کے وقت جب سُورج طلوع ہوتا ہے تو سُورج کی شعاعیں ترچھی ہوتی ہیں ۔ درجۂ حرارت کم ہوتا ہے ۔ جُوں جُوں سُورج

بلندی پر جاتا ہے، شعاعیں کم ترچھی ہوتی جاتی ہیں اور درجۂ حرارت بڑھنے لگتا ہے حتیٰ کہ دوپہر کے وقت شعاعیں کافی حد تک عمودی پڑنا شروع ہو جاتی ہیں اور درجۂ حرارت مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح سورج ڈھلنے کے ساتھ ساتھ سورج کی شعاعیں بتدریج ترچھی ہونی جاتی ہیں اور درجۂ حرارت آہستہ آہستہ گرنا شروع ہو جاتا ہے۔

عمودی اور ترچھی شعاعیں



گرمیوں کے موسم میں شعاعیں قریباً عمودی پڑتی ہیں جس سے درجۂ حرارت بڑھ جاتا ہے۔ سردیوں میں شعاعیں ترچھی پڑتی ہیں، اِس لیے درجۂ حرارت کم ہو جاتا ہے۔ اگر ہم کرۂ ارض پر عمودی اور ترچھی شعاعوں کی صورت دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ خطِ اِستوا پر شعاعیں قریباً سارا سال عمودی پڑتی ہیں اور جوں جوں شمال یا جنوب کو جائیں، شعاعیں ترچھی ہوتی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خطِ اِستوا پر گرمی زیادہ پڑتی ہے اور جوں جوں ہم قطبین یعنی قطب شمالی یا قطب جنوبی کی طرف جائیں، گرمی کم پڑتی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عمودی شعاعیں، ترچھی شعاعوں کی نسبت کیوں زیادہ گرم ہوتی ہیں۔

عمودی شعاعیں جب زمین پر پڑتی ہیں تو اُنھیں کم فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے ، اس لیے ان کے راستے میں خاکی ذرّات بھی کم آتے ہیں - خاکی ذرّات چونکہ شعاعوں کی گرمی جذب کرتے ہیں، اِس لیے اگر خاکی ذرّات کم ہوں گے تو راستے میں شعاعوں کی گرمی بھی کم جذب ہوگی اور زمین پر سُورج کی شعاعیں زیادہ حرارت چھوڑیں گی - اِس کے برعکس ترچھی شعاعوں کو زمین تک زیادہ فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے ، اِس لیے اُن کے راستے میں خاکی ذرّات زیادہ آتے ہیں جو گرمی زیادہ جذب کرتے ہیں، اِس لیے وہ شعاعیں زمین تک پہنچتے پہنچتے کم گرم رہ جاتی ہیں -

اِس کے علاوہ دُوسری وجہ بھی بہت اہم ہے - ترچھی شعاعیں زمین پر پھیل جاتی ہیں، اس لیے اُنھیں سطح زمین کے زیادہ حِصّے کو گرم کرنا پڑتا ہے - اِس کے مقابلے میں عمودی شعاعیں تھوڑی جگہ پر پڑتی ہیں اور اُنھیں تھوڑی جگہ گرم کرنا پڑتی ہے ، اِس لیے وہ ترچھی شعاعوں کی نسبت زیادہ گرم ہوتی ہیں -

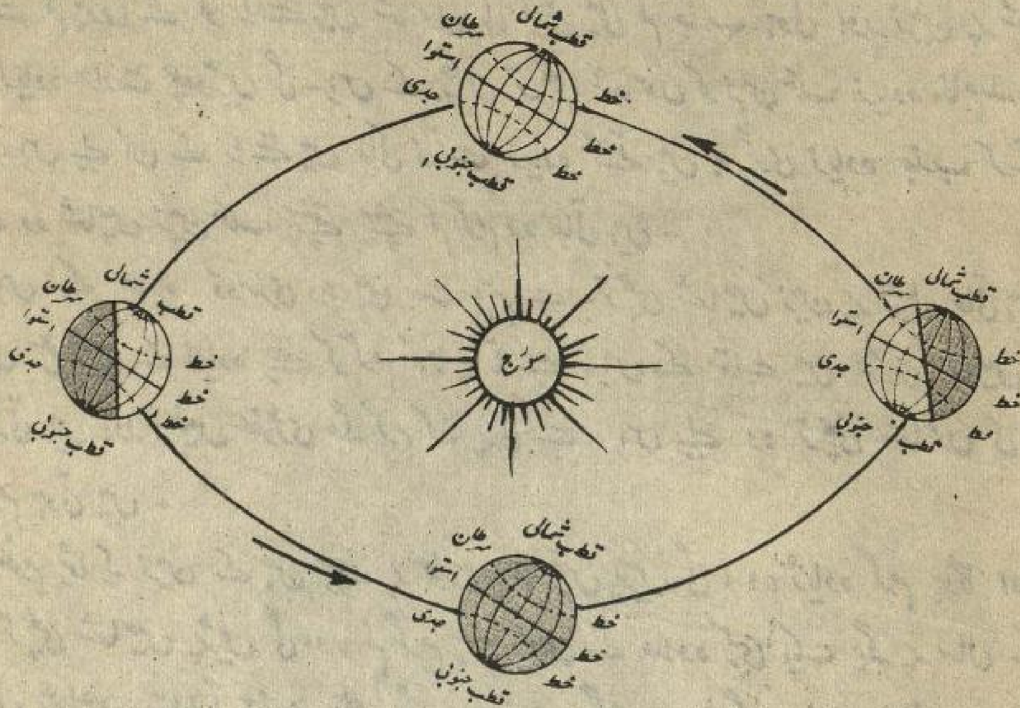
معلوم ہُوا کہ زمین کے جس حِصّے پر عمودی شعاعیں پڑیں گی ، وہ زیادہ گرم ہوگا اور جس حِصّے پر ترچھی شعاعیں پڑیں گی، وہ کم گرم ہوگا - اس کے علاوہ کسی ایک جگہ پر سال کے جن مہینوں میں شعاعیں مقابلتاً عمودی پڑیں گی ، وہ زیادہ گرم ہوں گے اور جن مہینوں میں شعاعیں ترچھی پڑیں گی ، وہ نسبتاً کم گرم ہوں گے -

پس زمین کی سالانہ گردش کی وجہ سے ایک ہی جگہ پر کبھی شعاعیں عمودی پڑتی ہیں اور کبھی ترچھی - اس لیے ایک ہی جگہ سال کے دوران موسم بدلتے رہتے ہیں - دُنیا کے اکثر حِصّوں میں چار موسم زیادہ اہم ہیں - موسمِ بہار - موسمِ گرما - موسمِ خزاں اور موسمِ سرما -

موسمِ بہار

21 ، مارچ کو سُورج کی شعاعیں خطِ اِستوا پر عمودی پڑتی ہیں - اِس دِن زمین، مدارِ ارضی کے ایسے مقام پر ہوتی ہے جہاں قطب شمالی اور قطب جنُوبی کا سُورج سے فاصلہ برابر ہوتا ہے اور محور کا جھکاؤ بھی دونوں اطراف برابر ہوتا ہے، اس لیے اس دن کو زمین کا ہر حِصّہ 12 گھنٹے روشنی میں اور 12 گھنٹے تاریکی میں رہتا ہے - یعنی تمام دُنیا میں دن رات برابر ہوتے ہیں - اس لیے موسم بھی ایک ہی جیسے ہوتے ہیں یعنی نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے اور نہ زیادہ سردی - شمالی نصف کرّے میں اِس موسم کو موسمِ بہار کہتے ہیں - یہ موسم بہت خوشگوار ہوتا ہے - ہر طرف پھُول کھِلتے ہیں - درخت نئے نئے پتّے نکالتے ہیں اور فصلِ ربیع بھی پکنے کو تیّار ہوتی ہے -

موسموں کا تغیّر و تبدّل



اِنھیں دنوں جنوبی نصف کرّے میں خزاں کا موسم ہوتا ہے ، وہاں درخت پتّے جھاڑنا شرُوع کرتے ہیں اور سردیوں کی آمد آمد ہوتی ہے۔

گو 21، مارچ کے بعد سُورج کی شعاعیں ، شمالی نصف کرّے میں عمُودی پڑنا شرُوع ہو جاتی ہیں ، لیکن اپریل تک موسم میں شدّت پیدا نہیں ہوتی -

موسمِ گرما

21، مارچ کے بعد نصف کرّہ شمالی ، سُورج کی طرف جُھکنا شرُوع ہو جاتا ہے حتّیٰ کہ 21، جُون کو اس کا جُھکاؤ زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے -یہی وجہ ہے کہ یہ دن شمالی نصف کرّے میں بڑے سے بڑا دن ہے -سُورج کی شعاعیں خطِ سرطان پر عمُودی پڑتی ہیں - دن بڑے، راتیں چھوٹی اور موسم گرمیوں کا ہوتا ہے -21، جُون کو لاہور میں دن ساڑھے چودہ گھنٹے کا ہوتا ہے-

21، جُون کو سُورج کی شعاعیں قطب شمالی سے $23\frac{1}{2}$ درجے پرے تک بھی پڑ رہی ہوتی ہیں ، اِس لیے قطب شمالی برابر روشنی میں رہتا ہے - وہاں چوبیس گھنٹے کا دن ہوتا ہے اور آدھی رات کو بھی سُورج اُفق کے اُوپر دکھائی دیتا ہے - اُسے 'آدھی رات کا سُورج' کہتے ہیں - اِن دنوں قطب جنوبی پر 24 گھنٹے اندھیرا چھایا رہتا ہے -

جنوبی نصف کرّے میں حالت بالکل اِس کے برعکس ہوتی ہے۔ وہاں دن چھوٹے، راتیں لمبی اور موسم سردیوں کا ہوتا ہے۔

21، جون کے بعد نصف کرّہ شمالی کا سُورج کی طرف جُھکاؤ کم ہونا شروع ہو جاتا ہے تاہم اگست کے مہینے تک گرمی کی شدّت کم نہیں ہوتی۔

مَوسمِ خزاں

اگست کے بعد گرمی کی شدّت کم ہونا شروع ہوتی ہے، حتیٰ کہ 23، ستمبر کو زمین ایک بار پھر اپنے مدار پر ایسے مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں قطب شمالی اور قطب جنوبی کا جھکاؤ برابر ہوتا ہے۔ سُورج خطِ اِستوا پر عمودی چمکتا ہے۔ دن رات برابر ہوتے ہیں اور کیفیت وہی ہوتی ہے جو 21، مارچ کو تھی، یعنی نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے اور نہ زیادہ سردی۔ شمالی نِصف کرّے میں اِسے 'خزاں کا موسم' کہتے ہیں۔

جنوبی نصف کرّے میں اِن دنوں بہار کا موسم ہوتا ہے۔

23، ستمبر کے بعد پھر شمالی نصف کرّے کا جھکاؤ سُورج سے پرے ہونا شروع ہوتا ہے تاہم کچھ دِنوں تک موسم ایک ہی جیسا رہتا ہے۔

مَوسمِ سرما

جُوں جُوں دن گزرتے جاتے ہیں، شمالی نصف کرّے کا جُھکاؤ سُورج سے زیادہ پرے ہوتا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اب جنُوبی نصف کرّہ، سورج کی طرف جُھکنا شروع ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ 22، دسمبر کو سُورج کی عمُودی شعاعیں، خطِ جدّی پر پڑتی ہیں۔ سُورج کی طرف جُھکنے کی نصف کرّہ جنُوبی کی یہ آخری حد ہے۔

اس کے برعکس اِن دِنوں شمالی نصف کرّے کا جُھکاؤ سُورج سے زیادہ سے زیادہ پرے ہوتا ہے۔ 22، دسمبر کو شمالی نصف کرّے میں رہنے والوں کے لیے لمبی سے لمبی رات اور چھوٹے سے چھوٹا دن ہوتا ہے۔ اس موقعے پر لاہور میں پونے دس گھنٹے کا دن ہوتا ہے۔ دائرہ قطب شمالی سے اُوپر جتنا علاقہ ہے، وہاں چوبیس گھنٹے اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ قطب شمالی اور قطب جنوبی پر چھے چھے مہینے کے دن رات ہوتے ہیں۔

22، دسمبر کو نِصف کرّہ جنوبی میں دن لمبے، راتیں چھوٹی اور موسم گرمیوں کا ہوتا ہے اور قطب جنوبی پر چوبیس گھنٹے روشنی ہوتی ہے۔

22، دسمبر کے بعد نصف کرّہ شمالی کا جُھکاؤ پھر سُورج کی طرف ہونا شرُوع ہو جاتا ہے۔ موسم سرما کی شدّت کم ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ پُورے ایک سال کے بعد سُورج کی شعاعیں ایک بار

پھر خطِ استوا پر عمودی پڑتی ہیں اور موسمِ بہار آ جاتا ہے۔ اس طرح زمین کی سالانہ گردش کے ساتھ ساتھ موسموں کا چکر بھی پُورا ہو جاتا ہے۔

مشق

(ا) 1۔ اجرامِ فلکی کی شکل بنائیں اور سیاروں کے نام لکھیں۔

2۔ اگر محورِ زمین سطح مدارِ ارضی پر عموداً واقع ہوتا تو اس کا ہمارے موسموں پر کیا اثر پڑتا؟ فرق کی وجہ بھی بتائیں۔

3۔ شکل بنا کر واضح کریں کہ دن رات کیسے پیدا ہوتے ہیں؟

4۔ شکل کی مدد سے وضاحت کریں کہ صُبح اور شام کو دوپہر کی نسبت کم گرمی پڑتی ہے۔

5۔ قطبین پر سارا سال سردی اور خطِ اِستوا پر سارا سال گرمی کیوں رہتی ہے؟

6۔ موسمِ بہار اور موسمِ خزاں میں درجۂ حرارت اعتدال پر کیوں رہتا ہے؟

(ب) مندرجہ ذیل فقروں کو مکمل کریں۔

1۔ روزانہ گردش کے دوران زمین اپنے محور کے گرد ....

2۔ محورِ زمین، مدارِ ارضی کے ساتھ ....

3۔ قطبین پر دن رات ....

4۔ شمالی نصف کرے میں 21 جُون بڑے سے بڑا دن اور جنوبی نصف کرے میں .... دن ہوتا ہے۔

5۔ چاند اور زمین سُورج سے ....

6۔ سطح مدارِ ارضی بالکل گول شکل میں نہیں، بلکہ .... شکل میں ہے۔

(ج) عملی کام 1۔ اپنی کاپی پر موسموں کے تغیّر و تبدل کو واضح کرنے کے لیے شکل بنائیں۔

2۔ دن رات کی وضاحت کے لیے کتاب میں دیئے ہُوئے تجربے کو عملی طور پر کریں اور اپنے خیالات کا اظہار ایک مضمون کی شکل میں کریں۔

3۔ ایک مہینے کے لیے اخبار میں سے طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے اوقات نوٹ کریں اور فرق کی وجہ لکھیں۔

آب و ہوا

ہماری روزمرہ کی زندگی اور کام کاج پر موسم کا بڑا اثر پڑتا ہے - جولائی یا اگست کے مہینے میں اگر ہوا بند ہو، سورج خوب چمک رہا ہو تو طبیعت بہت گھبراتی ہے - گھٹن سی محسوس ہونے لگتی ہے - کمرے کے اندر پنکھے کی ہوا بھی اچھی نہیں لگتی - ہم کہتے ہیں کہ موسم بہت خراب ہے - لیکن چند گھنٹوں کے بعد اگر بادل نمودار ہونے لگیں اور ٹھنڈی ہوا چلنی شروع ہو جائے تو ہم کہتے ہیں کہ موسم خوشگوار ہو گیا ہے - ہم کمروں سے باہر نکل آتے ہیں اور ٹھنڈی ہوا سے لُطف اندوز ہوتے ہیں - جی خوش ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ موسم کیسا اچھا ہو گیا ہے! اگر اتنے میں بارش ہونے لگے تو موسم اور بھی زیادہ خوشگوار ہو جاتا ہے - اس طرح جب ہمیں کہنا ہوتا ہے کہ کسی خاص مُدّت میں ہوا کی کیفیت کیا رہی ہے، یعنی درجۂ حرارت کتنا تھا، ہوا کے دباؤ کا کیا حال تھا، ہوا بند تھی یا چل رہی تھی، ہوا میں کتنی نمی تھی، بارش ہو رہی تھی یا نہیں، تو ہم اس کے لیے موسم کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے اُوپر والی مثال میں دیکھا کہ ایک ہی دن میں ہم نے کچھ وقت کے لیے موسم کو اچھا کہا اور کچھ وقت کے لیے بُرا کہا - یہ مدّت چند دن اور بعض اوقات ایک دو ہفتوں تک بھی ہو سکتی ہے - لیکن اگر ہمیں یہ کہنا ہو کہ کسی جگہ پر زیادہ عرصے تک اوسطاً موسم کس قِسم کا رہتا ہے تو اِس کے لیے ہم آب و ہوا کا لفظ استعمال کرتے ہیں - پانچویں جماعت میں بتایا جا چکا ہے کہ پاکستان کی آب و ہوا شدید قسم کی ہے - اس کے معنی ہیں کہ پاکستان میں عام طور پر موسم کی شدّت رہتی ہے - یعنی گرمیوں میں خُوب گرمی پڑتی ہے اور سردیوں میں خُوب سردی -

آب و ہوا کا انحصار کِن باتوں پر ہے

کسی جگہ کی آب و ہوا کا اندازہ لگانے کے لیے بہت سی باتیں مدِنظر رکھنی ہوتی ہیں جن میں درج ذیل زیادہ اہم ہیں :-

1- خطِ استوا سے فاصلہ جُوں جُوں کوئی مقام خطِ استوا سے دُور ہوتا جائے، وہاں

سُورج کی شعاعیں ترچھی پڑتی ہیں، اِس لیے وہاں گرمی بھی کم ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ جب ہم قطب شمالی اور قُطب جنُوبی کے قریب پہنچتے ہیں تو سردی اتنی شدید ہوتی ہے کہ وہاں سارا سال برف جمی رہتی ہے۔

2- سمندر سے فاصلہ

سمندر پانی کا ایک بہت بڑا قطعہ ہے۔ وہاں سے جو ہوائیں خشکی تک پہنچتی ہیں، ان میں کافی بخارات ہوتے ہیں۔ بخارات ہوا میں اعتدال پیدا کرتے ہیں۔ پس وہ علاقے جو سمندر کے نزدیک واقع ہیں، وہاں نہ زیادہ گرمی پڑتی ہے، نہ زیادہ سردی۔ اس کے برعکس وہ علاقے جو سمندر سے بہت دُور ہوتے ہیں، وہاں آب و ہوا شدید قسم کی ہوتی ہے۔ کراچی، ساحلِ سمندر پر واقع ہے۔ وہاں نہ گرمیوں میں اتنی گرمی پڑتی ہے کہ طبیعت بے چین ہو، نہ سردیوں میں اتنی سردی پڑتی ہے کہ آدمی لحاف اوڑھے رکھے۔ اس کے برعکس لاہور سمندر سے بہت دُور ہے۔ وہاں سمندر سے آنے والی ہواؤں کا اثر بالکل نہیں پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں موسم گرما میں بہت گرمی پڑتی ہے اور موسم سرما میں خاصی سردی۔

پاکستان کا ساحلِ سمندر اپنے رقبے کے اعتبار سے بہت چھوٹا ہے۔ اس لیے پاکستان کے اکثر علاقوں میں شدید قسم کی آب و ہوا پائی جاتی ہے۔

درجۂ حرارت کے علاوہ ہم جُوں جُوں سمندر سے دُور ہوتے جائیں، ہوا میں بخارات کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے جس کے باعث بارش میں بھی بتدریج کمی ہوتی جاتی ہے۔

3- سطح سمندر سے بلندی

پانچویں جماعت میں بتایا جا چُکا ہے کہ راولپنڈی اور مری کے درمیان فاصلہ 35 کلومیٹر سے زیادہ نہیں، لیکن جب ہم ڈیڑھ دو گھنٹوں کے بعد مری پہنچتے ہیں، موسم بالکل مختلف پاتے ہیں۔ راولپنڈی میں ململ کے کُرتے میں بھی پسینے سے شرابُور ہو جاتے ہیں لیکن مری پہنچنے پر گرم کپڑے پہننے کی ضرورت محسُوس ہوتی ہے۔ پس جُوں جُوں ہم بلندی پر پہنچتے ہیں، درجۂ حرارت گرتا جاتا ہے حتیٰ کہ ہم ایسے پہاڑوں پر پہنچ جاتے ہیں جہاں وہی کیفیت ہوتی ہے جو قطبین پر ہوتی ہے۔ ان پہاڑوں پر شدید سردی کے باعث گرمیوں میں بھی برف پڑتی ہے اور کوئی جاندار وہاں زیادہ دیر نہیں رہ سکتا۔

بُحیرۂ عرب سے آنے والی مُون سُون ہوائیں جب مری کے پہاڑوں تک پہنچتی ہیں تو

رکاوٹ کی وجہ سے اُوپر کو اُٹھتی ہیں ۔ اُوپر اُٹھنے سے درجۂ حرارت کم ہو جاتا ہے اور ہوا میں آبی بخارات سنبھالنے کی اتنی قوّت نہیں رہتی ۔ اس طرح فالتو آبی بخارات بارش کی صُورت اختیار کر لیتے ہیں ۔ پس معلُوم ہُوا کہ جوں جوں بلندی پر جائیں نہ صرف گرمی کم ہوتی جاتی ہے ، بلکہ بارش بھی زیادہ ہوتی ہے ۔

4 ۔ ہواؤں کا رُخ

آب و ہوا کا انحصار ہوا کے رُخ پر بھی ہے ۔ اگر ہوائیں سمندر کی طرف سے آ رہی ہوں تو اُن میں آبی بخارات ہوتے ہیں ، اس لیے وہ بارش برساتی ہیں ۔ اگر وہ خشکی کی طرف سے آ رہی ہوں تو ان میں آبی بخارات کم ہوتے ہیں اور بارش نہیں برساتیں ۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں گرمیوں میں بارش ہوتی ہے کیونکہ اس علاقے میں گرمیوں میں مون سُون ہوائیں سمندر کی طرف سے آتی ہیں اور سردیوں میں کم بارش ہوتی ہے کیونکہ سردیوں کی مون سُون ہوائیں خشکی کی طرف سے آ رہی ہوتی ہیں ۔

5 ۔ پہاڑوں کا رُخ

یہ تو بتایا جا چُکا ہے کہ بارش اس وقت ہوتی ہے جب آبی بُخارات والی ہوا کا درجۂ حرارت کم ہو جاتا ہے ۔ پس پاکستان میں جو ہوائیں سمندر کی طرف سے آتی ہیں ، گرم میدانی علاقے میں داخل ہو کر اُن کا درجۂ حرارت اور بھی بڑھ جاتا ہے اس لیے میدانی علاقے میں بارش برسائے بغیر گزر جاتی ہیں ، لیکن جب وہ شمالی پہاڑوں تک پہنچتی ہیں تو آگے نہیں جا سکتیں ۔ ایسی صُورت میں وہ بلندی پر پُہنچ کر پہاڑ کو عبُور کرنے کی کوشش کرتی ہیں ۔ بلندی پر جانے کی وجہ سے اُن کا درجۂ حرارت گِر جاتا ہے ، اور یہ ہوا ٹھنڈی ہو کر زیادہ مقدار میں آبی بخارات نہیں سنبھال سکتی ، اس لیے بارش ہو جاتی ہے ۔ اگر یہی پہاڑ ہواؤں کے رُخ میں واقع ہوتے تو ہوائیں اِدھر اُدھر سے گزر جاتیں اور بارش نہ ہوتی ۔ مثال کے طور پر اگر سندھ یا جنوُبی پنجاب میں کوئی پہاڑی سلسلہ ہواؤں کے مخالف رُخ واقع ہوتا تو ہوائیں وہیں رُک جاتیں اور اِن علاقوں ہی میں بارش برساتیں ۔

جب بحیرۂ عرب کی مون سُون ہوائیں بھارت میں داخل ہوتی ہیں تو اُن کے راستے میں اروَلی کے پہاڑ آتے ہیں ، لیکن ان پہاڑوں کا رُخ بھی ہواؤں کے رُخ کے مُطابق ہے ، اس لیے یہ ہوائیں پہاڑوں کے پہلوؤں سے گزر جاتی ہیں اور بھارت کے وسطی علاقے میں بارش نہیں ہوتی ، لیکن جب یہی ہوائیں کوہ ہمالیہ سے ٹکراتی ہیں اور عبُور کرنے کے لیے بلندی پر پہنچتی ہیں

تو خُوب بارش برساتی ہیں۔

کوہ ہمالیہ کا رُخ برِّصغیر کے لیے بہت ہی فائدہ مند ہے۔ گرمیوں میں کوہ ہمالیہ، بحیرۂ عرب اور خلیج بنگال سے آنے والی آبی بخارات سے لدی ہُوئی ہواؤں کو روکتا ہے اور برِّصغیر کے شمالی حِصّے میں خُوب بارش ہوتی ہے جس کی بدولت بہت اچھی فصلیں ہوتی ہیں۔ لیکن جب



پہاڑوں کا رُخ ہواؤں کی سمت میں ہی ہے اس لیے ہوائیں گزر کر آگے جا رہی ہیں۔ بارش نہیں برسا رہی ہیں۔

سردیوں کا موسم ہوتا ہے اور تبّت اور سائبیریا کی سرد ہوائیں برِّصغیر کا رُخ کرتی ہیں تو کوہ ہمالیہ ان کو عبُور کرنے سے روکتا ہے اور اس طرح برِّصغیر کے رہنے والے شدید سردی سے محفُوظ رہتے ہیں۔

برِّصغیر پاک و ہند کی آب و ہوا

برِّصغیر پاک و ہند کا جنوبی حِصّہ یعنی دکن اور قریباً نصف بنگلہ دیش، خطِ سرطان اور خطِ استوا کے درمیان یعنی منطقہ حارہ میں واقع ہیں اور برِّصغیر کا باقی حِصّہ گرم منطقہ معتدلہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے شمالی پہاڑی علاقوں کو چھوڑ کر برِّصغیر کی آب و ہوا زیادہ تر گرم ہی ہے۔ البتّہ بعض شمالی اور شمال مغربی میدانی حِصّے سمندر سے بہت دُور ہونے کی وجہ سے شدید آب و ہوا

کا شکار ہیں۔

برّصغیر میں گرمیوں کا موسم لمبا ہوتا ہے اور سردیوں کا موسم مختصر۔ گرمیوں کے شروع اور سردیوں کے شروع میں تھوڑے دنوں کے لیے موسم خوشگوار ہو جاتا ہے، یعنی نہ زیادہ گرمی پڑتی ہے اور نہ زیادہ سردی۔ ہم گرمیوں کے شروع موسم کو موسمِ بہار اور سردیوں کے شروع موسم کو موسم خزاں کہتے ہیں۔

درجۂ حرارت

مئی، جون، جولائی اور اگست کے مہینوں میں برّصغیر شدید گرمی کی لپیٹ میں ہوتا ہے۔ دن کے وقت درجۂ حرارت 43 درجے سینٹی گریڈ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ سب سے زیادہ درجۂ حرارت پاکستان کے میدانی علاقوں میں ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو کئی مقامات پر دن کے وقت درجۂ حرارت 50 درجے سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ میانوالی، سبّی اور جیکب آباد، برِّصغیر پاک و ہند کے گرم ترین علاقے ہیں۔

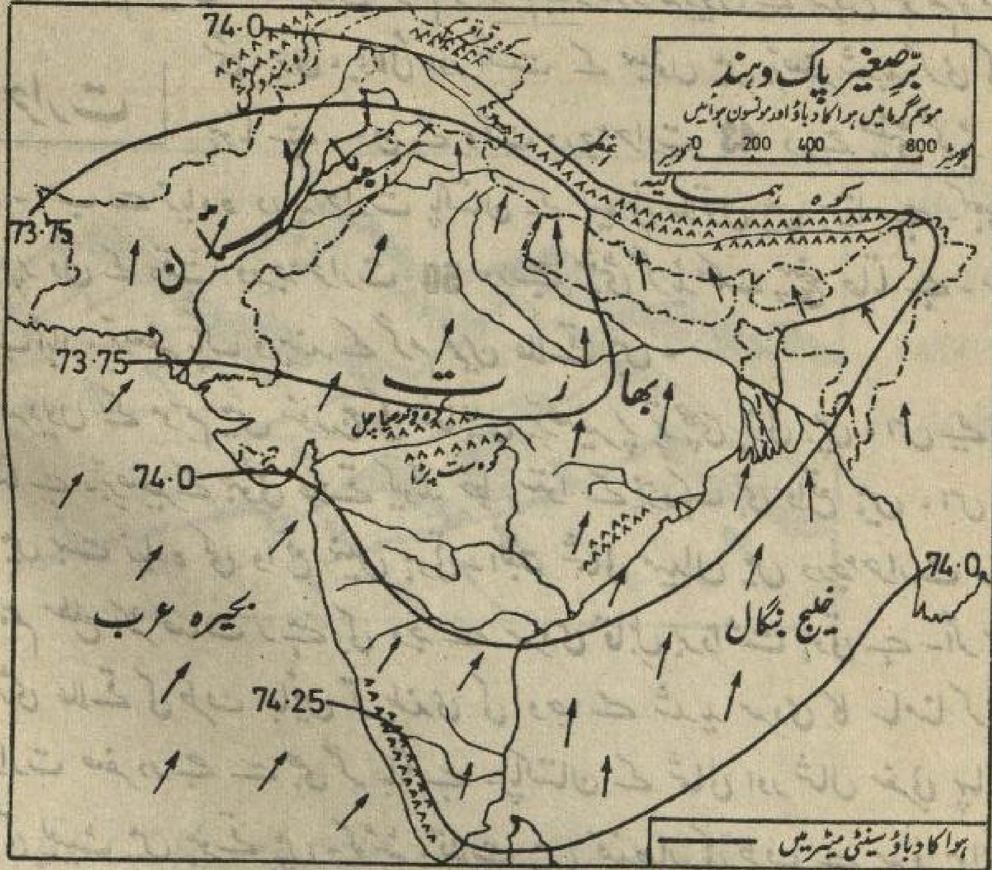
سردیوں کے موسم میں سُورج کی شعاعیں برّصغیر پر ترچھی پڑتی ہیں، اس لیے درجۂ حرارت گرنے لگتا ہے۔ برِّصغیر کے جنُوبی علاقے کیونکہ خطِ اِستوا کے نزدیک ہی واقع ہیں، اس لیے وہاں درجۂ حرارت میں بہت زیادہ کمی واقع نہیں ہوتی۔ البتّہ شمالی میدان میں درجۂ حرارت خاصا کم ہو جاتا ہے۔ تاہم مطلع اکثر صاف رہنے کی وجہ سے سردی قابلِ برداشت ہوتی ہے۔ اگر ہم مزید شمال میں پہاڑی علاقے کی طرف جائیں تو بلندی کی وجہ سے شدید سردی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ درجۂ حرارت صفر درجے سے بھی گر جاتا ہے۔ پاکستان کے شمالی اور شمال مغربی پہاڑی علاقے بھی سردی کی لپیٹ میں ہوتے ہیں۔ کوئٹہ، قلات میں قندھار کی طرف سے سرد ہوائیں چلتی ہیں جس کی وجہ سے وہاں شدید سردی ہو جاتی ہے۔

ہوائیں اور بارش

پاکستان آب و ہوا کے لحاظ سے مون سون کے خِطّے میں واقع ہے۔ یہ تو ہم پڑھ آئے ہیں کہ خشکی، پانی کی نسبت جلد گرم ہوتی ہے اور جلد ٹھنڈی ہوتی ہے، اس لیے گرمیوں کے موسم میں برِّصغیر، بحیرۂ عرب اور خلیج بنگال کی نسبت زیادہ گرم ہو جاتا ہے۔ یہاں کی ہوا گرم ہو کر اُوپر کو اُٹھتی ہے اور یہاں کم دباؤ والا علاقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ پاکستان کے میدانی علاقوں میں زیادہ گرمی پڑتی ہے، اس لیے برّصغیر میں سب سے کم دباؤ بھی وہیں ہوتا ہے۔ اِس کے برعکس بحیرۂ عرب اور خلیج بنگال پر درجہ دباؤ زیادہ ہوتا ہے، اِس لیے ہوائیں خشکی کی طرف بڑھتی ہیں۔ اِنھیں "موسمِ گرما کی مون سون ہوائیں" کہتے ہیں۔

بحیرۂ عرب کی مون سون ہوائیں

جو ہوائیں بحیرۂ عرب سے دریائے سندھ کے میدان کی طرف بڑھتی ہیں، اِن میں آبی بخارات تو ہوتے ہیں لیکن گرم میدانی علاقے میں پہنچنے کی وجہ سے اُن کا درجۂ حرارت بڑھ جاتا ہے اور



بارش نہیں ہوتی۔ لیکن جب یہی ہوائیں شمال میں کوہ ہمالیہ سے ٹکراتی ہیں تو اُوپر اُٹھتی ہیں، ان کا درجۂ حرارت گِر جاتا ہے اور خُوب بارش برساتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے شمالی علاقوں میں جنوبی علاقوں کی نسبت زیادہ بارش ہوتی ہے۔

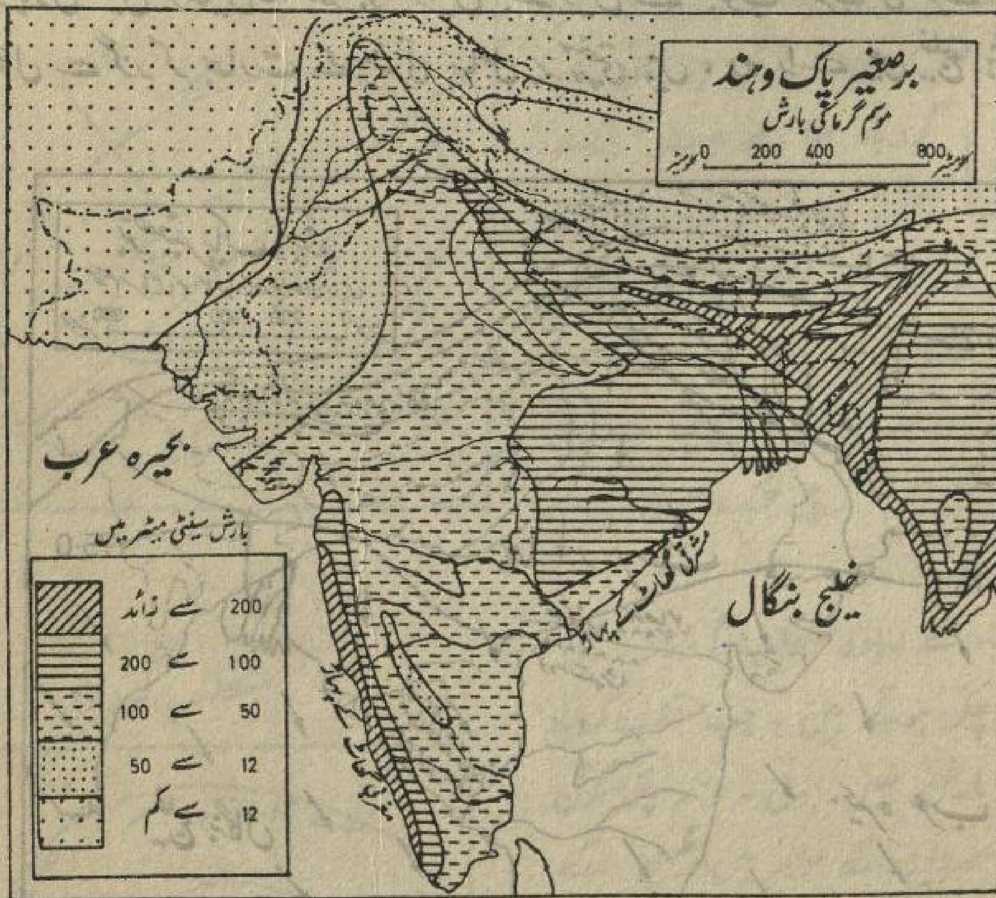
بحیرۂ عرب کی مون سُون ہوائیں بھارت کے مغربی ساحل کی طرف بھی بڑھتی ہیں مگر جلد ہی اُنھیں مغربی گھاٹ کے پہاڑ روک لیتے ہیں جس کی وجہ سے دکن کے مغربی ساحل پر خُوب بارش ہوتی ہے۔ جب یہ ہوائیں مغربی گھاٹ کے پہاڑوں کو عبُور کرتی ہیں تو ان میں آبی بخارات بہت کم رہ جاتے ہیں، اس لیے سطح مرتفع دکن میں بارش کم ہوتی ہے۔

بحیرۂ عرب کی مون سُون ہواؤں کی ایک شاخ بھارت کے صُوبے راجستھان سے بھی گزرتی

ہے مگر وہاں اراولی کے پہاڑوں کا رُخ ہواؤں کے رُخ کے مطابق ہے، اس لیے ہوائیں بارش برسائے بغیر گزر جاتی ہیں - لیکن جب یہ ہوائیں کوہ ہمالیہ تک پہنچتی ہیں تو اُوپر اُٹھنا شروع ہو جاتی ہیں - درجۂ حرارت کم ہو جاتا ہے اور بارش برسنا شروع ہو جاتی ہے - پاکستان کی طرح بھارت میں بھی شمالی علاقوں میں بارش زیادہ ہوتی ہے -

خلیج بنگال کی مون سون ہوائیں

بحیرۂ عرب کی طرح خلیج بنگال سے بھی ہوائیں خشکی کی طرف چلتی ہیں - یہ ہوائیں سمندر پر زیادہ فاصلہ طے کرتی ہیں اس لیے اِن میں آبی بُخارات بھی زیادہ ہوتے ہیں - جب یہ ہوائیں، بنگلہ دیش سے گُزر کر تھوڑی دُور شمال کی طرف جاتی ہیں تو آسام کی پہاڑیاں اُن کا راستہ روک لیتی ہیں - یہ ہوائیں ان پہاڑیوں کو عبُور کرنے کے لیے اُوپر اُٹھتی ہیں تو ان کا درجۂ حرارت گر

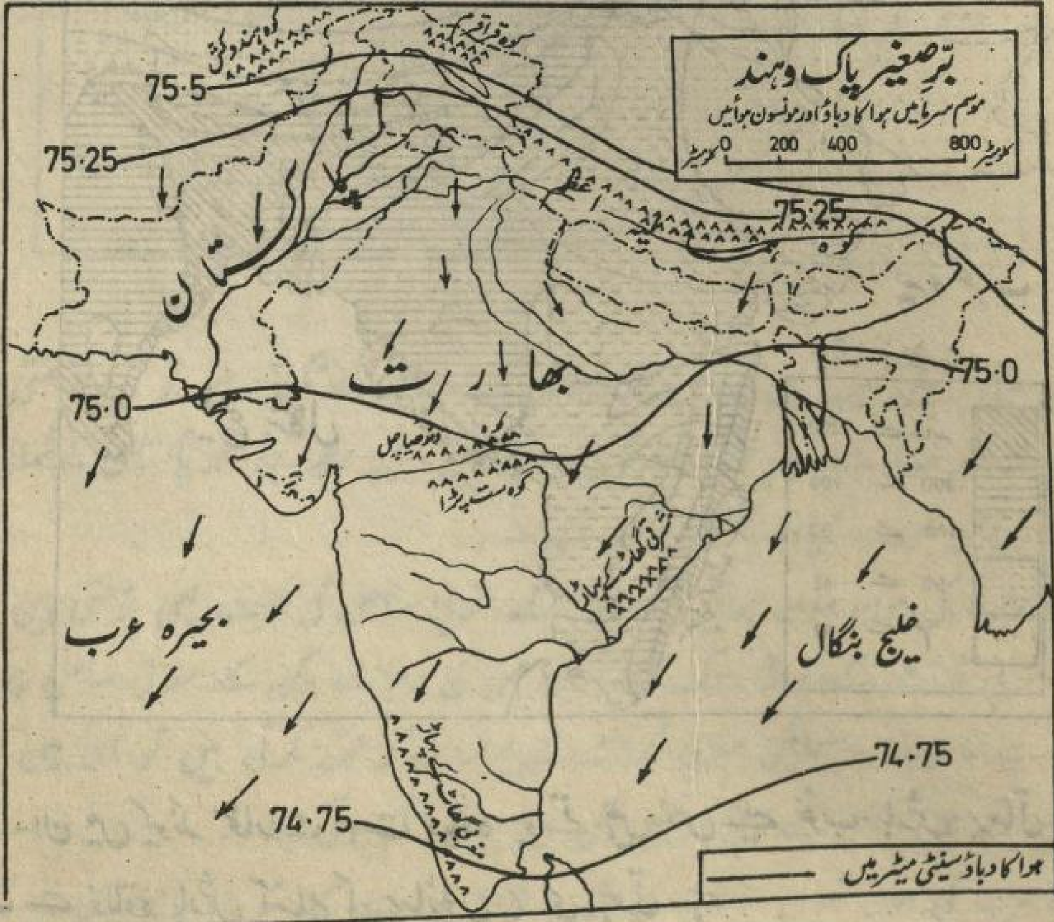


جاتا ہے - ان میں کیونکہ بخارات بہت زیادہ ہوتے ہیں اِس لیے خوب بارش برساتی ہیں - دُنیا میں سب سے زیادہ بارش آسام کی پہاڑیوں پر ہی ہوتی ہے -

آسام کی پہاڑیوں پر بارش برسانے کے بعد یہ کوہ ہمالیہ کے ساتھ ساتھ مغرب کو مُڑتی ہیں حتّیٰ کہ پاکستان میں پہنچ جاتی ہیں۔ ان میں آبی بخارات اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ راستے میں بارش برسانے کے باوجود پاکستان کے شمالی علاقوں میں کافی بارش برساتی ہیں۔ البتہ جب یہ مغربی حصّے اور جنوبی حِصّے میں پہنچتی ہیں تو ان میں رطوبت بہت کم رہ جاتی ہے، اس لیے ان علاقوں میں بارش کم ہوتی ہے۔

موسم سرما کی مون سُون ہوائیں

جب سردیوں کا موسم آتا ہے تو برِصغیر، بحیرۂ عرب اور خلیج بنگال کی نسبت جلد ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور یہاں ہوا کا دباؤ سمندر کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے سردیوں کے موسم میں برِصغیر سے سمندر کی طرف ہوائیں چلتی ہیں۔ ان ہواؤں کے راستے میں کوئی پانی کا بڑا قطعہ نہیں آتا، اس لیے خشک ہوتی ہیں اور بارش نہیں برسائیں۔ البتّہ جو ہوائیں بنگلہ دیش سے جنوب مغرب کی طرف چلتی ہیں اور خلیج بنگال سے گزر کر بھارت کے مشرقی ساحل پر پہنچتی ہیں، وہ راستے میں خلیج بنگال سے آبی

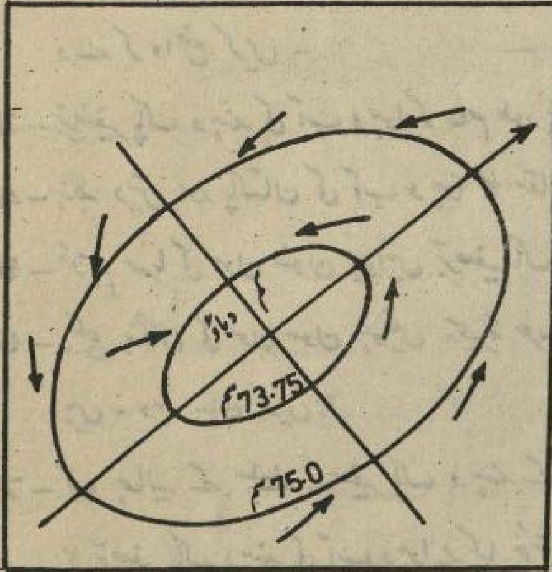


بخارات حاصل کر لیتی ہیں ۔ مشرقی گھاٹ کے پہاڑوں کے حائل ہونے سے یہ ہوائیں اوپر اُٹھتی ہیں جس سے درجۂ حرارت کم ہونے کی وجہ سے مشرقی ساحل پر بارش برساتی ہیں ۔ بارش کی یہ مقدار موسمِ گرما میں ہونے والی بارش کی مقدار سے بہت کم ہوتی ہے ۔

گردباد سے بارش

موسمِ سرما میں پاکستان میں بحیرۂ روم سے آنے والے گرد باد بارش برساتے ہیں ۔ یہ گرد باد مغرب کی طرف سے آتے ہیں ، اس لیے پاکستان کے مغربی حصّوں میں بارش زیادہ ہوتی ہے ۔ کوئٹہ میں گردباد کی وجہ سے سردیوں میں جو بارش ہوتی ہے ، اس کی مقدار گرمیوں میں ہونے والی بارش کی مقدار سے زیادہ ہے ۔ جُوں جُوں گردباد مشرق کی طرف بڑھتے ہیں ، ان میں رطوبت کم ہوتی جاتی ہے ، اس لیے پاکستان کے مشرقی حِصّے میں سردیوں میں بارش کم ہوتی ہے ۔ بھارت میں بھی گردباد کی وجہ سے تھوڑی بہت بارش ہو جاتی ہے ۔

گرد باد



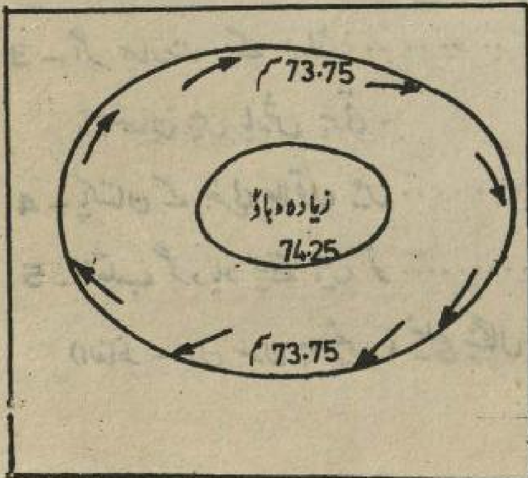
گردباد

گرد باد ہوا کے بہت بڑے بھنور ہوتے ہیں ۔ ان میں ہوائیں بھی دائرے میں چلتی ہیں کیونکہ ہواؤں کا دباؤ مرکز میں کم ہوتا ہے ۔

جب کسی جگہ پر گرد باد پہنچتا ہے، وہاں تیز ہوائیں چلتی ہیں ، گرج چمک ہوتی ہے اور بارش ہوتی ہے ۔

گرد باد کے علاوہ منقلب گرد باد بھی ہواؤں کے چکّر ہوتے ہیں ۔ جب منقلب گردباد چلتے ہیں تو بارش نہیں ہوتی ۔ موسم پُرسکون رہتا ہے ۔ سردیوں کے موسم میں صُبح کے وقت کہُر اور دھند رہتی ہے ۔

منقلب گردباد



گرد باد اور منقلب گرد باد باری باری چلتے ہیں اور یہ چکّر قریباً کوئی ہفتہ بھر کا

ہوتا ہے - اس لیے موسم سرما میں بعض اوقات دسمبر اور جنوری کے مہینوں میں قریباً ایک ہفتہ موسم ابرآلود رہتا ہے ، بارش ہوتی ہے اور تیز ہوائیں چلتی ہیں - چھے سات دن کے بعد گردباد کی جگہ منقلب گردباد لے لیتے ہیں تو مطلع صاف ہو جاتا ہے - ان مہینوں میں قریباً یہی چکّر چلتا رہتا ہے - اس قسم کی بارش پاکستان میں فصلِ ربیع کے لیے بہت مفید ہے - بارش کی بدولت پودوں کو نمی بھی ملتی رہتی ہے اور ان کی نشوونما کے لیے دُھوپ بھی -

مشق

(ا) 1 - جغرافیائی لحاظ سے 'موسم' اور 'آب و ہوا' میں کیا فرق ہے ؟

2 - کسی مقام کی آب و ہوا کا انحصار کِن کِن باتوں پر ہے ؟ برّصغیر کے مختلف حصّوں سے مثالیں دے کر واضح کریں -

3 - برّصغیرِ پاک و ہند کی آب و ہوا کو عام طور پر شدّت کی آب و ہوا کیوں کہتے ہیں ؟

4 - بنگلہ دیش اور پاکستان کی آب و ہوا کا مقابلہ کریں -

5 - مَوسمِ سرما کی مون سُون ہوائیں برّصغیرِ پاک و ہند میں بارش نہیں برساتیں - وجہ بیان کریں ؟

6 - خلیج بنگال کی مون سون ہوائیں بحیرۂ عرب کی مون سون ہواؤں کی نسبت زیادہ بارش برساتی ہیں - وجہ بیان کریں ؟

7 - کوہ ہمالیہ کے سلسلے برّصغیرِ پاک و ہند کے شمال میں کمان کی صُورت پھیلے ہُوئے ہیں - ان سلسلوں کا برّصغیرِ پاک و ہند کی آب و ہوا پر کیا خُوش گوار اثر پڑتا ہے ؟

(ب) خالی جگہوں کو نیچے دیے ہُوئے الفاظ میں سے موزوں الفاظ چُن کر پُر کریں -

1 - کراچی میں لاہور کے مقابلے میں .... بارش ہوتی ہے -

2 - مری میں .... ہوائیں بارش برساتی ہیں -

3 - اگر بھارت کے پہاڑ .... رُخ واقع ہوتے تو گرمیوں کے موسم میں راجستھان میں بارش ہوتی -

4 - پاکستان کے مغربی علاقوں میں .... کی وجہ سے سردیوں میں بارش ہوتی ہے -

5 - منقلب گردباد چلتے ہیں تو .... نہیں ہوتی -

(الفاظ - مون سون ہوائیں ، خلیج بنگال کی ہوائیں ، سردی ، بارش ، شرقاً غرباً ، شمالاً جنوباً ، گردباد)

منقلب گردباد ، کم ، زیادہ ۔)

(ج) **عملی کام**

1 ۔ اپنی نقشہ کشی کی کاپی پر برّصغیر پاک و ہند کے دو نقشے بنائیں ۔ ایک میں موسمِ گرما کی مون سون ہواؤں کے رُخ دکھائیں اور دُوسرے میں موسم سرما کی مون سون ہواؤں کے رُخ دکھائیں ۔ ساتھ ہی اُن علاقوں میں شیڈ کریں جہاں یہ ہوائیں بارش برساتی ہیں ۔

2 ۔ جس مہینے آپ یہ سبق پڑھیں اُس مہینے کے تمام دِنوں کا زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم درجۂ حرارت کسی اخبار کی مدد سے اپنی کاپی پر درج کرتے جائیں اور مہینا گزرنے کے بعد درجۂ حرارت کی کمی بیشی کی وجہ لکھیں ۔

وسائل

قدرت نے ہمیں ہوا ، پانی ، نباتات ، معدنیات اور زرخیز زمین جیسی نعمتیں عطا کی ہیں اور ساتھ ہی ہمیں سُوجھ بُوجھ بھی دی ہے کہ ہم اِن نعمتوں کو اپنے استعمال میں لائیں۔ جو مُلک یا علاقہ اِن نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے وہ خُوش حال ہو جاتا ہے اور جس ملک کے لوگ کوشش اور محنت نہیں کرتے ، وہ پس ماندہ اور غریب رہ جاتے ہیں۔

آئیے دیکھیں کہ بّرِصغیر کے ممالک کے وسائل کیا ہیں اور یہاں کے رہنے والے اِنھیں کس طرح استعمال کرتے ہیں۔

نباتات

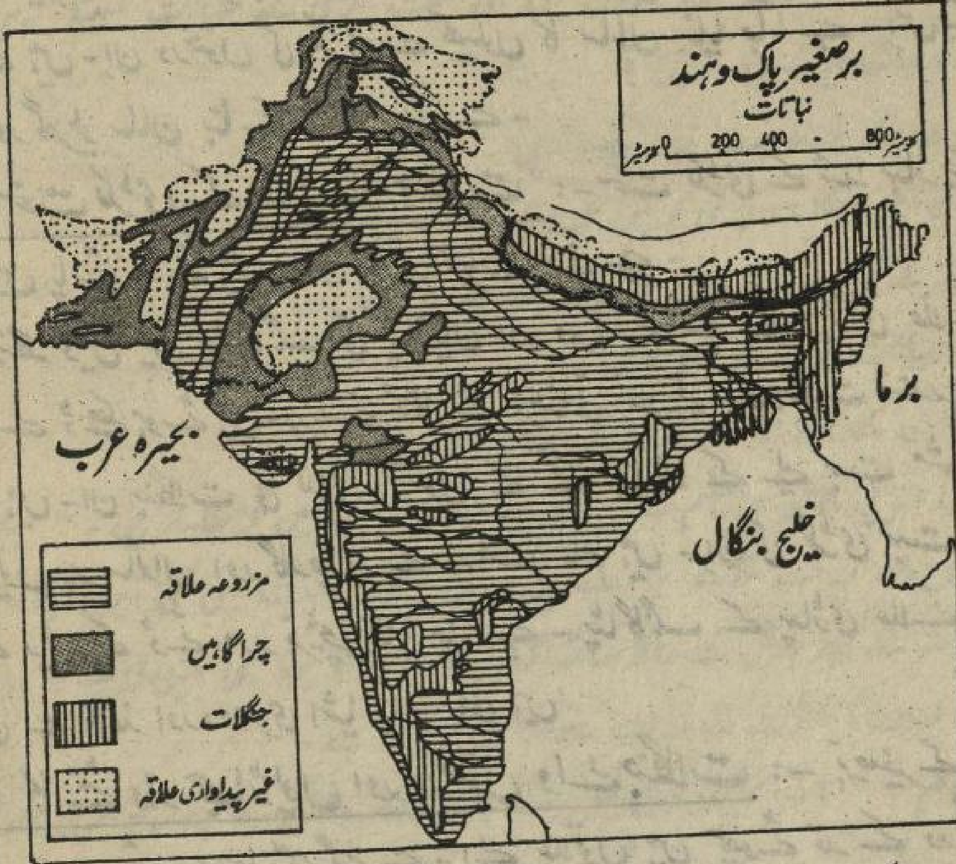
کسی علاقے کی نباتات کا انحصار وہاں کے درجۂ حرارت ، بارش اور زمین کی خاصیّت پر ہے۔ جس علاقے میں گرمی پڑتی ہے، وہاں کی نباتات سرد علاقوں سے مختلف ہوتی ہے۔ جہاں بارش زیادہ ہوتی ہے ، وہاں تو گھنے جنگلات پائے جاتے ہیں ، لیکن کم بارش والے علاقوں میں کانٹے دار جھاڑیوں اور گھاس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ بعض ایسے علاقے بھی ہیں جہاں بارش تو زیادہ ہوتی ہے لیکن وہاں کی مٹّی اچھّی نہیں، اِس لیے وہاں بھی بہت کم درخت دیکھنے میں آتے ہیں۔

قدرتی نباتات میں سب سے زیادہ اہمیّت جنگلات کو ہے۔ بّرِصغیر میں موسم گرما کی مون سون ہواؤں کی بدولت کوہِ ہمالیہ کے جنوبی سِلسلوں ، اس کی مشرقی شاخوں اور تلہٹی کے علاقوں میں خوُب بارش ہوتی ہے ، اِس لیے ان علاقوں میں گھنے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ جنگلات کی تین مشہور قسمیں درج ذیل ہیں:-

1- نرم لکڑی کے جنگلات

بّرِصغیر کے شمالی پہاڑی علاقوں میں جو جنگلات 1000 میٹر سے زائد بلندی پر پائے جاتے ہیں ، وہ سدا بہار ہیں اور ان کی لکڑی بھی نرم ہے۔ ان جنگلات میں چیل ، دیودار اور صنوبر کے درخت عام ہیں۔ نرم لکڑی

عمارتیں بنانے ، فرنیچر بنانے اور دِیا سلائی کی تیلیاں بنانے میں کام آتی ہے - ان درختوں کے تنوں سے ایک قِسم کا رس بھی نکلتا ہے جسے گندہ بیروزہ کہتے ہیں - گندہ بیروزہ سے لاکھ، وارنش اور تارپین کا تیل وغیرہ تیار کیا جاتا ہے -



پاکستان میں نرم لکڑی کے جنگلات شمالی اور شمال مغربی پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں - یہ جنگلات ہماری ضروریات سے بہت کم ہیں - اس قِسم کے جنگلات بھارت میں صُوبہ آسام، صُوبہ اُترپردیش اور صُوبہ بھارتی پنجاب میں پائے جاتے ہیں - ان شمالی پہاڑی علاقوں کے علاوہ بھارت میں مغربی گھاٹ کے پہاڑ بھی اس قِسم کے جنگلات سے ڈھکے ہُوئے ہیں - نیپال اور کشمیر میں بھی نرم لکڑی کے جنگلات بکثرت پائے جاتے ہیں -

2- سخت لکڑی کے جنگلات

وہ جنگلات جو بّرِصغیر میں 1000 میٹر سے کم بلندی والے علاقوں میں پائے جاتے ہیں، اُن کی لکڑی سخت ہوتی ہے - یہ لکڑی عمارتوں اور فرنیچر بنانے کے علاوہ کھیلوں کا سامان بنانے اور جلانے کے کام آتی ہے - سخت لکڑی کے جنگلات کی تین قسمیں ہیں:-

(ا) چوڑے پتّوں والے درختوں کے جنگلات :- یہ جنگلات پہاڑوں کے دامنی علاقوں،

دریائے گنگا کے میدان اور دریائے سندھ کے میدان میں پائے جاتے ہیں ۔ ان علاقوں میں درمیانے درجے کی بارش ہوتی ہے ۔ ان جنگلات میں سرس، پیپل، آم، جامن، اخروٹ، شیشم اور شہتوت وغیرہ کے درخت پائے جاتے ہیں ۔ ان درختوں کے پتّے موسمِ خزاں اور موسمِ سرما میں گِر جاتے ہیں ۔ اِن درختوں کی لکڑی سے کھیلوں کا سامان بنایا جاتا ہے ۔ اِس کے علاوہ یہ لکڑی جلانے اور گھریلو سامان بنانے کے کام آتی ہے ۔

(ب) **سخت لکڑی کے سدا بہار جنگلات** :۔ سخت لکڑی کے سدا بہار جنگلات ایسے گرم علاقوں میں پائے جاتے ہیں جہاں بارش زیادہ ہوتی ہے ۔

بنگلہ دیش میں چٹاگانگ کی پہاڑیاں اور دریائے گنگا کے ڈیلٹائی علاقے ایسے ہی جنگلات سے ڈھکے ہوئے ہیں ۔ دریائے گنگا کے ڈیلٹائی علاقے کے جنگلات سُندر بن کے نام سے موسُوم ہیں ۔ ان جنگلات کی لکڑی کشتیوں کے تختے بنانے کے لیے بہت مشہور ہے ۔ چٹاگانگ کی پہاڑیوں پر ساگوان اور گارجان کے درخت عام ہیں ۔ اِن کی لکڑی بہت پائدار ہوتی ہے ۔ جس سے ریل کے ڈبے اور فرنیچر بنایا جاتا ہے ۔ چٹاگانگ کے پہاڑی علاقے میں بانس کے درختوں سے کاغذ اور دوسری اشیا بنائی جاتی ہیں

(ج) **کانٹے دار جھاڑیوں اور درختوں والے جنگلات** :۔ برِصغیر کے اکثر علاقوں میں بارش کم ہوتی ہے اور آب و ہوا بھی گرم ہے ۔ ایسے علاقوں میں چھوٹے قد کے درخت اور کانٹے دار جھاڑیاں عام پائی جاتی ہیں ۔ اِن درختوں کی لکڑی صرف جلانے کے کام آتی ہے ۔ یہاں سخت قِسم کی گھاس اُگتی ہے جس پر مویشی پالے جاتے ہیں ۔ پاکستان میں ایسے درخت سطحِ مُرتفع پوٹھوہار اور صحرائی علاقوں میں پائے جاتے ہیں ۔ بھارت میں اس قِسم کی نباتات بھارتی پنجاب، راجستھان اور سطحِ مُرتفع دکن میں پائی جاتی ہے ۔

3 ۔ ساحلی جنگلات

برِصغیر کا سارے کا سارا ساحل منطقہ حارہ میں واقع ہے ۔ آب و ہوا گرم اور زمین ریتلی ہونے کی وجہ سے کہیں کہیں ناریل کے جُھنڈ نظر آتے ہیں ۔ ناریل کے درختوں کے علاوہ کہیں کہیں گھاس بھی اُگتی ہے، جس پر مویشی پالے جاتے ہیں ۔

مشق

(ا) 1- کسی جگہ کی نباتات کا انحصار کن کن باتوں پر ہے ؟

2- نرم لکڑی کے جنگلات سرد علاقوں میں اور سخت لکڑی کے جنگلات نسبتاً گرم علاقوں میں پائے جاتے ہیں - وجہ بتائیں ؟

3- جنگلات کے چیدہ چیدہ فوائد بیان کریں ۔

4- پاکستان میں جنگلات کی کمی کو کس طرح پورا کیا جا رہا ہے ؟

5- برصغیر کے کن کن علاقوں میں چراگاہیں پائی جاتی ہیں اور کیوں ؟

(ب) درست بیانات پر نشان (✓) لگائیں ۔

1- سندر بن کے جنگلات نرم لکڑی کے جنگلات ہیں ۔

2- سرس ، پیپل ، جامن اور شیشم کے درختوں کے پتے موسم سرما میں گر جاتے ہیں ۔

3- جہاں جہاں درخت لگائے جا رہے ہیں ، وہاں گرمی کی شدت میں کمی آ رہی ہے ۔

4- جنگلات کے لیے بارش کے ساتھ ساتھ گرمی اور روشنی کا ہونا بھی ضروری ہے ۔

5- گندہ بیروزہ ، شہتوت کے درخت سے حاصل کیا جاتا ہے ۔

(ج) **عملی کام** : 1- اپنے ماحول میں پائے جانے والے درختوں کے پتے جمع کریں اور اپنی اپنی کاپیوں پر گوند سے لگائیں ۔ ان درختوں کے نام بھی لکھیں ۔

2- ہفتہ شجرکاری کے دوران اپنے سکول کے صحن میں پودے لگائیں اور ان کی حفاظت کریں ۔

ذرائع آبپاشی

برِصغیر پاک و ہند کے شمالی اور شمال مشرقی پہاڑی علاقے اور مغربی گھاٹ کو چھوڑ کر باقی ہر جگہ بارش کم ہوتی ہے، جو کھیتی باڑی کے لیے ناکافی ہے۔ برِصغیر کے شمالی میدان زرخیز مٹی سے بنے ہیں۔ اِس زرخیز مٹی سے اچھی اچھی فصلیں کاشت کرنے کے لیے دریاؤں سے نہریں نکالی گئی ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد نظامِ آبپاشی میں بہت ترقی ہوئی ہے۔ صُوبہ پنجاب میں پرانی نہروں کے علاوہ دریائے سندھ پر کئی مقامات پر بند باندھ کر بہت سی مزید نہریں نکالی گئی ہیں جن سے صُوبہ پنجاب اور صُوبہ سندھ کا بیشتر علاقہ سیراب ہوتا ہے۔ اُن کی تفصیل پانچویں جماعت میں پڑھائی جا چکی ہے۔

سندھ طاس کا معاہدہ

1947ء میں جس وقت پاکستان بنا تو انگریزوں نے پنجاب کی کچھ اس طرح تقسیم کی کہ باری دوآب کا علاقہ جس میں مُسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی، ہندوؤں کے حوالے کر دیا اور اِسی طرح دریائے ستلج سے نکالی جانے والی نہروں کے ہیڈورکس بھی بھارت کو دے دیئے جس نے پانی کے جھگڑے کو جنم دیا۔ آخرکار 1960ء میں عالمی بینک نے بھارت اور پاکستان کے مابین پانی کے جھگڑے کا تصفیہ کرا کے ایک معاہدہ کروایا جسے 'سندھ طاس کا معاہدہ' کہتے ہیں۔ اس معاہدے میں فیصلہ کیا گیا کہ دریائے راوی، دریائے ستلج اور دریائے بیاس کا پانی بھارت اپنی مرضی سے استعمال کرے گا اور دریائے چناب، دریائے جہلم اور دریائے سندھ کا پاکستان۔ اِس طرح پانی کی کمی جو صُوبہ پنجاب کے مشرقی حصّے میں دریائے راوی اور دریائے ستلج سے نکلنے والی نہروں میں ہو جائے گی، اُسے پُورا کرنے کے لیے دو بڑے بند اور سات رابطہ نہریں بنائی جائیں گی اور یہ سارا کام 1970ء تک مکمل ہو جائے گا۔ اب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔

پاکستان کے شمال مغربی اضلاع میں چھوٹے چھوٹے دریا اور ندی نالے بہتے ہیں جن میں برسات کے موسم میں بہت پانی آتا ہے۔ اِن دریاؤں اور ندی نالوں کے پانی کو آب پاشی کے

لیے استعمال کرنے کے لیے چھوٹے بند تعمیر کیے گئے ہیں۔ ان سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی ہیں جو کھیتوں کو سیراب کرتی ہیں۔ اس طرح جو پانی پہلے ضائع جاتا تھا اب آب پاشی کے لیے استعمال ہونے لگ گیا ہے۔

بھارت میں آب پاشی کا نظام

بھارت کے صوبہ پنجاب میں دریائے سندھ کے معاون دریاؤں میں سے تین دریا، دریائے بیاس، دریائے ستلج اور دریائے راوی بہتے ہیں۔ دریائے راوی سے نہر اپر باری دوآب مادھوپور کے مقام سے نکالی گئی ہے جو بھارتی پنجاب کے علاقوں کو سیراب کرنے کے بعد پاکستان میں داخل ہوتی ہے۔ دریائے ستلج پر فیروز پور کے مقام پر بند بنایا گیا ہے۔ اس کے دائیں کنارے سے نکلنے والی نہریں تو پاکستان کے علاقہ کو سیراب کرتی ہیں، لیکن بائیں کنارے سے نکلنے والی نہریں بھارتی پنجاب کو سیراب کرتی ہیں۔ اب بھارت نے دریائے ستلج پر ایک بڑا بند بنا کر کئی نہریں نکالی ہیں جن کے باعث دریائے ستلج جب پاکستان میں داخل ہوتا ہے تو اس میں پانی کی مقدار بہت کم رہ جاتی ہے۔

شمالی بھارت میں دریائے گنگا اور دریائے جمنا بہتے ہیں۔ دریائے گنگا کا میدان بھی دریائے سندھ کے میدان کی طرح بہت زرخیز مٹی سے بنا ہے۔ وہاں بھی پانی کی کمی نہروں کے ذریعے پوری کی گئی ہے۔ برِصغیر کے مسلمان بادشاہوں نے بھی ان دریاؤں سے نہریں نکال کر ان علاقوں کو سیراب کیا تھا۔ اب کچھ تو انھیں نہروں کو درست کر کے اور کچھ نئی نہریں نکال کر ایک بہت اچھا نظامِ آب پاشی قائم کر لیا گیا ہے۔ ان میں سے نہر جمن غربی، نہر جمن شرقی، نہر آگرہ، نہر اپر گنگا اور نہر لوئر گنگا مشہور ہیں۔

بھارت میں اب دریائے گنگا پر صوبہ بنگال میں ایک بہت بڑا بند فرخا بیراج کے نام سے مکمل کیا جا رہا ہے۔ حکومتِ بنگلہ دیش اس کی مخالفت کر رہی ہے کیونکہ اگر یہ بند بن گیا تو دریائے گنگا جس وقت بنگلہ دیش میں داخل ہوگا تو اس میں پانی کی مقدار اتنی کم رہ جائے گی کہ بنگلہ دیش کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں گی۔

بھارت کے شمالی میدان کے علاوہ مشرقی گھاٹ سے بہنے والے دریاؤں سے بھی نہریں نکالی گئی ہیں جو مشرقی ساحلی میدان کے علاقے کو سیراب کرتی ہیں۔

بنگلہ دیش کا نظامِ آب پاشی

بنگلہ دیش میں کھیتی باڑی کے لیے پانی کی کمی کا کوئی مسئلہ

نہیں بلکہ وہاں اس کے برعکس برسات کے موسم میں بارش کا پانی نکالنے اور سیلاب کی روک تھام کا مسئلہ ہے۔ بنگلہ دیش کے شمال مغربی حصّے میں جہاں آب پاشی کی ضرورت پڑتی ہے وہاں کچھ نہریں بنائی گئی ہیں لیکن اکثر علاقوں میں بجلی کے پمپ لگائے گئے ہیں جو قریبی دریاؤں سے پانی کھینچتے ہیں اور کھیتوں تک پہنچاتے ہیں۔

سب سے بڑا منصوبہ گنگا کباڈک منصوبہ ہے۔ اِس منصوبے کے تحت نہ صرف پمپوں کے ذریعے کھیتوں کو پانی دیا جاتا ہے بلکہ ایسے پمپ بھی لگائے گئے ہیں جو کھیتوں سے فالتو پانی نکال کر دریا میں پھینکتے ہیں۔

ایک اور منصوبے کے ذریعے سمندر سے آنے والی لہروں کے پانی کو روکنے کے لیے بند بنائے گئے ہیں تاکہ سمندر کا نمکین پانی کھیتوں کی زرخیزی کو ختم نہ کر دے۔

دریائے برہم پُتر کے کناروں پر بند بنائے گئے ہیں تاکہ سیلاب کا پانی دُور دُور تک نہ پھیلے اور فصلیں خراب نہ ہوں۔

برِصغیر پاک وہند میں نہروں کے علاوہ کنوؤں اور تالابوں کے ذریعے بھی نظامِ آبپاشی کو بہتر بنایا جا رہا ہے تاکہ یہاں کے ممالک غذائی قلت کو دُور کر سکیں۔

مشق

1۔ برِصغیر پاک و ہند کے شمالی میدانوں میں آب پاشی کی اہمیت پر ایک مضمون لکھیں۔

2۔ سندھ طاس معاہدے کی وجہ سے پاکستان کو کن کن دریاؤں کے پانی سے محروم کر دیا گیا؟ ان دریاؤں کے پانی کی کمی کس طرح پُوری کی گئی ہے؟

3۔ بھارت کے شمالی میدان کو کون کون سی نہریں سیراب کرتی ہیں؟ اِن کا حال لکھیں۔

4۔ بنگلہ دیش میں آب پاشی کے لیے نہروں کی ضرورت نہیں۔ وجہ بتائیے؟

5۔ پاکستان میں کون کون سے ذرائع آب پاشی استعمال ہوتے ہیں؟ ہر ایک کا مختصر حال لکھیں۔

عملی کام

1۔ نقشہ کشی کی کاپی میں پاکستان کا نقشہ بنائیں اور اس میں رابطہ نہروں کو ظاہر کریں۔

2۔ دریا کا ماڈل بنا کر اُس میں بیراج بنائیں اور نہریں نکلتی ہوئی دکھائیں۔

زرعی پیداوار

زراعت کے پیشے کو برِصغیر پاک و ہند میں ہمیشہ سے بڑی اہمیت رہی ہے اور آج کل بھی زراعت نہ صرف روزی کمانے کا اچھا ذریعہ ہے بلکہ برِصغیر کے تمام ممالک کی معیشت کی بُنیاد ہے۔ برِصغیر کی آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اِس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ **1947ء** میں جب پاکستان بنا تو برِصغیر کی آبادی قریباً **40** کروڑ تھی لیکن اب یہی آبادی 90 کروڑ تک پہنچ گئی ہے۔ اتنی بڑی آبادی کو خوراک مہیا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ اناج پیدا کیا جائے۔ اس ضمن میں برِصغیر کے تمام ممالک اپنی اپنی جگہ بھرپُور کوشش کر رہے ہیں۔ تاحال برِصغیر کا کوئی بھی مُلک سوائے پاکستان کے ایسا نہیں جو خوراک کے معاملے میں خُود کفیل ہو۔

آیئے برِصغیر کی اہم فصلوں کے بارے میں پڑھیں۔

چاول

چاول موسم گرما کی پیداوار ہے۔ اس کی کاشت موسمِ برسات میں شروع ہوتی ہے۔ اور نومبر سے فروری تک اِسے کاٹ لیا جاتا ہے۔ برِصغیر کے کاشت شُدہ رقبے کا قریباً نصف چاول کی کاشت کے لیے مخصُوص ہے۔ دریائے سندھ کا میدان، دریائے گنگا کا میدان، دریائے برہم پُتر کا میدان اور دریاؤں کے ڈیلٹائی علاقے اس کی کاشت کے لیے موزُوں ہیں۔ یہ میدان دریاؤں کی لائی ہُوئی زرخیز مٹّی سے بنے ہیں اور چاول کی کاشت کے لیے موزوں ہیں۔ چاول کی کاشت کے لیے پانی کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ اِسی لیے جن علاقوں میں بارش **1500** ملی میٹر سے زیادہ ہوتی ہے وہاں تو آب پاشی کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن کم بارش والے علاقوں میں نہروں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے کھیتوں کو پانی دیا جاتا ہے۔

چاول بنگلہ دیش میں چٹاگانگ کے پہاڑی علاقے کو چھوڑ کر اکثر جگہ کاشت ہوتا ہے۔ بھارت میں آسام، بھارتی بنگال، بھارتی پنجاب، بہار، اُترپردیش اور مشرقی ساحلی میدان اس کی پیداوار کے لیے بہت مشہور ہیں۔ پاکستان میں اس کی کاشت صُوبہ پنجاب اور صُوبہ سندھ کے نہری علاقوں میں ہوتی ہے۔ نیپال میں چاولوں کی ایک خاص قسم کاشت کی جاتی ہے جو پہاڑی علاقوں کے لیے مخصُوص ہے۔ سرینگر کی وادی میں کئی قسم کا چاول کاشت ہوتا ہے۔

گندم خوردنی اجناس میں گندم دوسرے نمبر پر ہے۔ گندم موسمِ سرما کی پیداوار ہے۔ برِصغیر میں اس کے مخصوص علاقے دریائے سندھ کا میدان اور دریائے گنگا کا میدان ہیں۔ اس فصل کے لیے پانی کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی، تاہم دریائے سندھ کے میدان میں گندم کی زیادہ تر پیداوار ان علاقوں میں ہوتی ہے جہاں نہری پانی میتسر ہے۔ ریاست جموں و کشمیر میں بھی گندم کی کاشت کی جاتی ہے۔

جوار - باجرا جوار اور باجرا کم بارش والے علاقوں کی اہم پیداوار ہیں۔ بھارت میں اُن کی کاشت پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ وہاں کے لوگ چاول کے بعد جوار اور باجرے کے آٹے پر زیادہ انحصار کرتے ہیں۔ پاکستان میں بھی بارانی علاقوں کی اہم پیداوار جوار اور باجرا ہے۔

مکئی مکئی پہاڑی علاقوں اور میدانی علاقوں میں یکساں اہمیت رکھتی ہے۔ پہاڑی علاقوں میں تو اہم انسانی خوراک ہے لیکن میدانی علاقوں میں اسے زیادہ تر چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ پاکستان میں شمال مغربی پہاڑی علاقے مکئی کی کاشت کے لیے اہم ہیں۔ نہری علاقوں میں اس کی زیادہ تر کاشت چارے کے لیے ہوتی ہے۔ بھارت میں دامنی علاقوں کے علاوہ بھارتی پنجاب اور اُتر پردیش مکئی کی کاشت کے لیے اہم ہیں۔ بنگلہ دیش میں مکئی کی کاشت صرف چارے کے لیے ہوتی ہے۔ مکئی نیپال اور ریاست جموں کشمیر کی بھی اہم فصل ہے۔

گنّا ویسے تو گنّا برِصغیر کے قریباً ہر حصّے میں پیدا ہوتا ہے لیکن بنگلہ دیش میں جہاں سالانہ بارش 1500 ملی میٹر سے زیادہ ہے اور دریائے گنگا کے میدان اور دریائے سندھ کے میدان میں جہاں نہروں کی بدولت پانی میتسر ہے، وہاں گنّے کی کاشت کثرت سے ہوتی ہے۔ یہ قریباً پُورے سال کی فصل ہے۔ اس کی فصل پر بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ گنّا دُنیا میں سب سے زیادہ بھارت میں پیدا ہوتا ہے۔ گنّے سے کھانڈ تیار ہوتی ہے۔ بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان اس سلسلے میں اپنی ضرُوریات میں قریباً خُود کفیل ہیں۔

روغنی بیج روغنی بیجوں کی کاشت برِصغیر پاک و ہند کے قریباً ہر حصّے میں ہوتی ہے۔ سرسوں کا تیل سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کی کاشت کم بارش والے علاقوں میں ہوتی ہے۔ سرسوں کا تیل کھانا تیار کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اب سورج مکھی کی کاشت پر بھی توجہ دی جا رہی ہے۔

مونگ پھلی خُشک اور ریتلے علاقے کی اہم پیداوار ہے۔ بھارت میں اس کے تیل سے بناسپتی گھی بنایا جاتا ہے۔ پاکستان میں اس کی کاشت گجرات، جہلم، راولپنڈی اور میانوالی کے ضلعوں میں ہوتی ہے۔

کپاس

غیر خوردنی اجناس میں سے کپاس بہت زیادہ اہم ہے۔ یہ پاکستان کا "چاندی کا ریشہ" ہے جس کی برآمد سے کروڑوں روپے کمائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں صُوبہ پنجاب اور صُوبہ سندھ کے نہری علاقے کپاس کی کاشت کے لیے مشہور ہیں۔ پاکستان میں اعلیٰ قسم کی امریکن کپاس کاشت کی جاتی ہے جس کا ریشہ لمبا ہوتا ہے جو عُمدہ دھاگا بنانے کے لیے بہت ضروری ہے۔ بھارت میں سطح مُرتفع دکن کا شمال مغربی علاقہ کپاس کی پیداوار کے لیے بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ دریائے گنگا کے میدان کا مغربی حِصّہ، بھارتی پنجاب اور صُوبہ مدراس میں بھی کپاس کاشت کی جاتی ہے۔ بنگلہ دیش میں کپاس کی کاشت صرف شمال مغربی حِصّوں میں ہوتی ہے جہاں باقی علاقوں کی نسبت بارش کم ہوتی ہے۔ کپاس کے لیے زیادہ نمی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

پٹ سن

پٹ سن بنگلہ دیش کی اہم پیداوار ہے۔ اِسے "سنہری ریشہ" بھی کہتے ہیں۔ اِس سے دریاں، ٹاٹ اور رسیاں بنائی جاتی ہیں۔ اب تو پٹ سن سے قالین، نمدے، کینوس اور کپڑے بھی بنائے جانے لگے ہیں۔ پٹ سن کی کاشت کے لیے ایسی زمین کی ضرورت ہے جو دریاؤں کی لائی ہوئی زرخیز مٹّی سے بنی ہو۔ اِس کا پودا پانی میں ہی پھلتا پھُولتا ہے۔ اِس پودے کو کٹائی کے بعد بھی کام میں لانے کے لیے بہت محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے پانی میں بھگو دیا جاتا ہے۔ پھر اِسے کُوٹ کُوٹ کر ریشہ، ڈنٹھل سے علیٰحدہ کیا جاتا ہے۔ بھارتی بنگال میں بھی پٹ سن کاشت ہوتی ہے لیکن یہ عُمدہ قسم کی نہیں ہوتی۔ پاکستان میں بھی پٹ سن کی کاشت شروع ہو چکی ہے۔ جڑانوالا اور مظفر گڑھ میں دو کارخانے بھی قائم ہو چُکے ہیں جہاں پٹ سن سے مختلف قسم کی مصنُوعات تیّار کی جاتی ہیں۔

چائے

بنگلہ دیش کا سلہٹ کا علاقہ اور بھارت کا صُوبہ آسام چائے کی پیداوار کے لیے بہت مشہور ہیں۔ یہاں کی پہاڑی ڈھلانیں چائے کی کاشت کے لیے بہت مفید ہیں کیونکہ بارش کے بعد پانی بہ جاتا ہے اور پَودوں کی جڑیں خراب نہیں ہوتیں۔ بنگلہ دیش چائے کی برآمد سے کروڑوں رُوپے کا زرِ مبادلہ کماتا ہے۔ پاکستان میں بھی چائے اُگانے کے تجربات ہو رہے ہیں۔ انشا اللہ توقع ہے کہ پاکستان میں بھی بہت جلد وسیع پیمانے پر چائے کی کاشت شروع ہو جائے گی۔

جمُوں و کشمیر میں بھی چائے کاشت کی جاتی ہے۔

تمباکو

تمباکو برِصغیر پاک و ہند کی اہم پیداوار اور نقد آور فصل ہے۔ پاکستان میں اعلیٰ

قسم کا تمباکو کاشت کرنے پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے - پاکستان میں اعلیٰ قسم کا تمباکو مردان، پشاور، اٹک، ساہیوال، سرگودھا، حیدرآباد اور سکھر کے اضلاع میں کاشت ہوتا ہے - بھارت میں حیدرآباد، مدراس، پنجاب، بنگال، مدھیہ پردیش اور اترپردیش اور بنگلہ دیش میں میمن سنگھ اور نواکھلی اہم ہیں۔

دالیں

دالیں برِصغیر خاص کر بھارت کا من بھاتا کھاجا ہے - ویسے تو دالیں بہت اقسام کی ہیں لیکن چنا، مسور، مونگ اور ماش زیادہ مشہور ہیں - ان کے علاوہ ارہر اور مونگ کی کاشت بھی کی جاتی ہے - پاکستان اور بھارت کے تقریباً ہر حصے میں دالوں کی کاشت ہوتی ہے - البتہ پاکستان میں جہلم، راولپنڈی، گجرات، سرگودھا، ساہیوال، ملتان، وہاڑی، مظفرگڑھ، لیہ، مردان، نوشہرہ، سکھر اور حیدرآباد اہم ہیں - بھارت میں مدراس، حیدرآباد، بہار، مدھیہ پردیش، پنجاب، راجستھان اور اترپردیش اہم ہیں -

مشق

(ا) 1- برِصغیر کے ممالک کو زیادہ سے زیادہ زرعی اجناس پیدا کرنا کیونکر ضروری ہے؟

2- چاول کی کاشت کے لیے کون سے جغرافیائی حالات موزوں ہیں؟ ان حالات کے پیشِ نظر بتائیے کہ برِصغیر پاک و ہند میں کہاں کہاں چاول کثرت سے کاشت کیے جاتے ہیں؟

3- بنگلہ دیش میں گندم کی نسبت چاول بہت زیادہ کاشت ہوتے ہیں - وجہ بتائیے؟

4- مکئی انسانی خوراک کے علاوہ کس کام آتی ہے؟

5- بھارت دُنیا میں سب سے زیادہ کھانڈ تیار کرتا ہے لیکن وہ باہر کے ممالک کو نہیں بھیجتا - وجہ بتائیں؟

6- برِصغیر پاک و ہند میں کپاس کن کن علاقوں میں زیادہ کاشت ہوتی ہے؟ وجہ بتائیں؟

7- بنگلہ دیش کی سب سے اہم نقدآور فصل کون سی ہے؟ اس کی بکثرت کاشت کی وجہ بتائیں؟

8- چائے زیادہ تر پہاڑوں کی ڈھلانوں پر کاشت ہوتی ہے - وجہ بتائیں؟

(ب) خالی جگہوں کو پُر کریں -

1- مونگ پھلی .... علاقے کی اہم پیداوار ہے -

2- کپاس پاکستان کا .... ریشہ ہے اور پٹ سن بنگلہ دیش کا .... ریشہ ہے -

3- نیپال میں چاولوں کی خاص قسم پیدا ہوتی ہے جو .... کے علاقوں کے لیے مخصوص ہے۔

4- برِصغیر کے ممالک غذائی ضروریات میں ....

5- .... کی فصل برِصغیر پاک و ہند میں سب سے زیادہ کاشت ہوتی ہے۔

6- پاکستان میں .... اور .... میں پٹ سن سے مصنوعات بنانے کے کارخانے قائم ہو چکے ہیں۔

7- پاکستان کے بارانی علاقوں میں جوار اور .... کی فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔

(ج) **عملی کام** :- نقشہ کشی کی کاپی پر برِصغیر پاک و ہند کا خاکہ بنائیں۔ جہاں جہاں چاول، گندم، کپاس، پٹ سن اور گنّا بکثرت ہیں، وہاں فصل کے پہلے حرف کو لکھیں۔ مثال کے طور پر چاول کی جگہ 'چ'

معدنیات

برِصغیر پاک و ہند معدنی پیداوار کے لحاظ سے دُنیا میں خاص شہرت نہیں رکھتا۔ آج کل جن معدنیات کی بدولت مُلک ترقّی کرتے ہیں، وہ برِصغیر کے ممالک میں زیادہ مقدار میں نہیں ملتیں۔ یہی وجہ ہے کہ کان کنی برِصغیر کے لوگوں کا اہم پیشہ نہیں۔ کُل آبادی کا صرف ایک فی صد اس پیشے میں مصروف ہے۔

کوئلہ آج کل کے مشینی دَور میں طاقتی وسائل کی بہت اہمیت ہے۔ طاقتی وسائل سے بڑی بڑی مشینوں کے انجن چلائے جاتے ہیں۔

بھارت کوئلے کی پیداوار میں خُوش قسمت ہے۔ بھارت میں کوئلے کی کانیں سطح مُرتفع دکن کے شمال مشرق میں پائی جاتی ہیں۔ یہ علاقے بھارتی صُوبہ بنگال اور بہار میں واقع ہیں۔ بھارت میں نکلنے والا کوئلہ اچھّی قِسم کا ہے اور کارخانوں میں استعمال ہوتا ہے۔

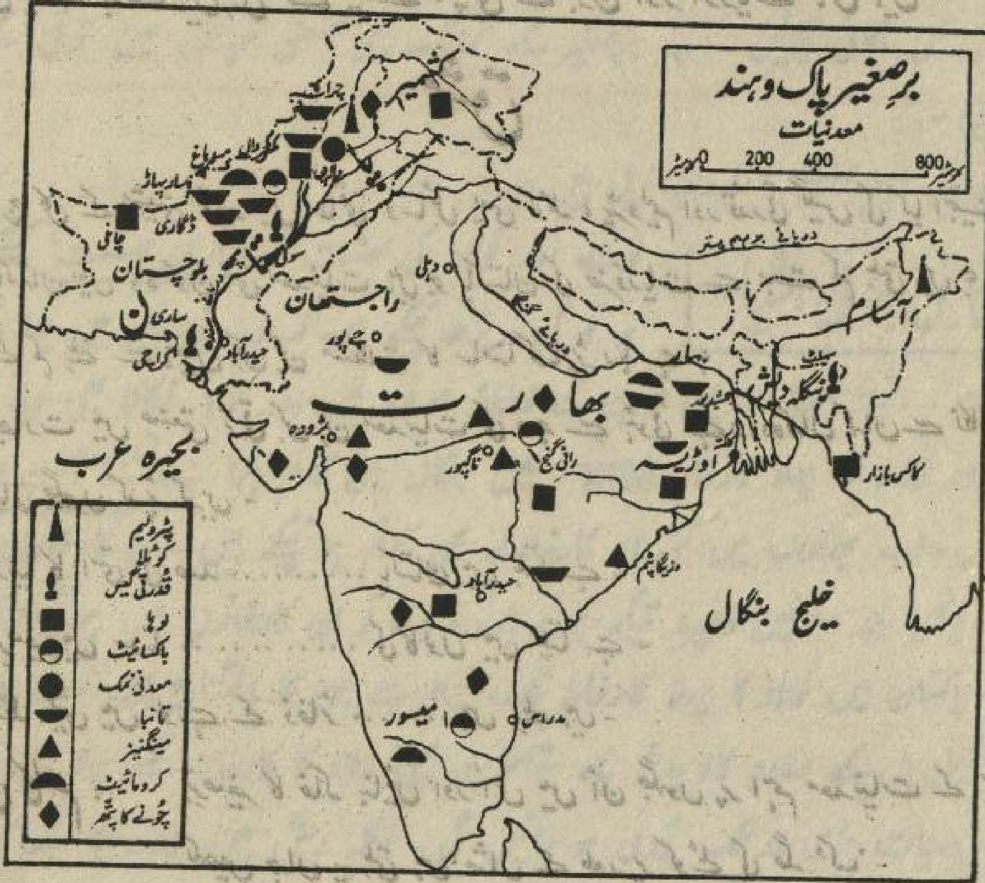
پاکستان میں کوئلہ سطح مُرتفع پوٹھوہار اور سطح مُرتفع بلوچستان میں مِلتا ہے۔ یہ کوئلہ ایک تو مقدار میں کم ہے، دوسرے اچھّی قِسم کا نہیں۔ بنگلہ دیش میں سلہٹ کے علاقے میں اچھّی قِسم کا کوئلہ پایا جاتا ہے۔ راجشاہی میں کوئلے کی تلاش ہو رہی ہے۔ ریاست جمُوں وکشمیر میں جمُوں کے علاقے میں کوئلہ دستیاب ہے۔

لوہا برِصغیر میں لوہے کے ذخائر بھی زیادہ تر بھارت میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی کانیں کوئلے کی کانوں کے قریب ہیں جس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ لوہے کی دھات کو پگھلانے کے لیے کوئلہ قریب ہی سے مِل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوہا اور لوہے کی مصنُوعات بنانے کے اکثر کارخانے مغربی بنگال اور اڑیسہ میں قائم کیے گئے ہیں۔

پاکستان میں لوہے کے ذخائر میانوالی، چترال، چاغی اور ہزارہ میں مِلے ہیں۔ ان کی مقدار پاکستان کی ضرورت سے بہت کم ہے۔ بنگلہ دیش میں چٹاگانگ کے پہاڑی علاقے اور کاکس بازار میں لوہے کے ذخائر مِلے ہیں۔ ریاست جمُوں وکشمیر میں بھی لوہے کے ذخائر موجُود ہیں۔

پٹرولیم برِصغیر میں پٹرولیم بہت تھوڑی مقدار میں مِلتا ہے۔ ان ممالک کو اپنی ضروریات کو

پورا کرنے کے لیے اربوں روپوں کا پٹرول باہر کے ممالک سے منگوانا پڑتا ہے - بھارت میں پٹرولیم صُوبہ آسام سے نکلتا ہے اور پاکستان میں پٹرولیم سطح مُرتفع پوٹھوہار میں ضلع جہلم اور ضلع اٹک سے نکالا گیا ہے - پاکستان میں پٹرولیم کی تلاش کے لیے بہت سے کنوئیں کھودے جا رہے ہیں- ڈیرہ غازیخاں میں ڈھوڈک کے مقام پر اور صُوبہ سندھ میں بدین اور ٹنڈو عالم کے مقام پر تیل کے ذخائر ملے ہیں -



معدنی نمک

دُنیا کا 80 فی صد معدنی نمک پاکستان میں کوہ نمک سے مِلتا ہے - کھیوڑہ کی کانیں دُنیا میں سب سے بڑی نمک کی کانیں ہیں- بھارت میں زیادہ تر سمندر کے پانی کو خشک کرکے نمک حاصل کیا جاتا ہے - بنگلہ دیش میں بھی سمندری نمک ہی استعمال ہوتا ہے -

کرومائیٹ

کرومائیٹ کی دھات کے ذخائر پاکستان کے صُوبہ بلوچستان میں پائے جاتے ہیں - یہ ذخائر دُنیا میں سب سے بڑے ہیں - بھارت میں کرومائیٹ کی کانیں میسور میں واقع ہیں -

سونا

سونا بھارت میں میسور میں واقع کولار کی کانوں میں مِلتا ہے -

سنگِ مرمر

پاکستان میں عمدہ قسم کا سنگِ مرمر ضلع مردان ، سوات اور ضلع چاغی میں ملتا ہے ۔ بھارت میں سفید سنگِ مرمر کے ذخائر صوبہ راجستھان میں پائے جاتے ہیں۔

پاکستان میں جپسم ، چونے کا پتھر، قلمی شورہ اور برتن بنانے والی مٹی کے وسیع ذخائر سطح مرتفع پوٹھوہار میں پائے جاتے ہیں جس سے سیمنٹ ، چینی کے برتن اور ادویات بنتی ہیں ۔

مشق

(ا) 1۔ آج کل کے مشینی دور میں طاقتی وسائل یعنی کوئلہ ، پٹرولیم اور قدرتی گیس کی کیا اہمیت ہے؟

2۔ پاکستان میں وہ کون سی معدنیات ہیں جو پاکستان کی ضروریات سے بہت کم ملتی ہیں ؟ معدنیات کے کم ملنے سے ہمیں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ؟

3۔ بھارت میں صنعتی ترقی کن کن معدنیات کی وجہ سے ہوئی ہے اور وہ کہاں کہاں سے نکالی گئی ہیں؟

ب خالی جگہوں کو پُر کریں ۔

1۔ دُنیا کا اَسی فی صد .... پاکستان میں ملتا ہے ۔

2۔ برِصغیر میں سونا .... کی کانوں میں ملتا ہے ۔

3۔ بنگلہ دیش میں لوہے کے ذخائر .... میں ملے ہیں۔

(ج) **عملی کام :** برِصغیر کا خاکہ بنائیں اور اس میں اُن جگہوں پر اہم معدنیات کے پہلے حروف لکھیں جہاں یہ ملتی ہیں، مثال کے طور پر کوئلے کی جگہ 'ک'۔

صنعتیں

برِصغیر کے ممالک بنیادی طور پر زراعتی مُلک ہیں لیکن کسی مُلک کی ترقّی کے لیے ضروری ہے کہ صنعتیں بھی لگائی جائیں - اب برِصغیر کے ممالک بھی صنعتی میدان میں ترقی کے راستے پر گامزن ہیں -

برِصغیر کی اہم صنعتیں مندرجہ ذیل ہیں :-

لوہے کی بنی ہوئی اشیا

لوہے اور فولاد کی صنعت کو 'بنیادی صنعت' کہتے ہیں- یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ لوہا برِصغیر میں یہاں کی ضرورت سے کم ملتا ہے - البتہ بھارت میں لوہے کے ذخائر موجود ہیں اور لوہا نکالا بھی جاتا ہے -بھارت میں لوہے اور فولاد کا پہلا کارخانہ 1904ء میں بنگال میں قائم ہُوا جسے "ٹاٹا آئرن اینڈ سٹیل کمپنی" کہتے ہیں -اب بھارت میں کئی اور کارخانے بھی قائم ہو چکے ہیں -اِن کارخانوں میں ریل کی پٹڑیاں ، اِنجن اور سلاخیں وغیرہ تیار ہوتی ہیں - اب تو اِن کارخانوں میں ہوائی جہاز بھی بن رہے ہیں - پاکستان میں فولاد کا پہلا کارخانہ لگ چُکا ہے جس کا افتتاح 31 اگست 1981ء میں ہُوا -کراچی سٹیل مِل کے علاوہ کالا باغ کے مقام پر بھی فولاد کا کارخانہ لگنے والا ہے - اس طرح پاکستان کی ضروریات بڑی حد تک پُوری ہو جائیں گی - بنگلہ دیش میں فولاد کا ایک کارخانہ چٹاگانگ میں کام کر رہا ہے -

سُوتی کپڑا

برِصغیر کی اہم ترین صنعت ، کپڑے کی صنعت ہے -برِصغیر میں سُوتی دھاگا بنانے اور کپڑے کی صنعت بہت پرانی ہے - یہ اپنی نفاست کی وجہ سے دُنیا بھر میں شہرت حاصل کر چکی ہے -جس وقت انگریز برِصغیر میں آئے ، ڈھاکہ کی ململ اپنی نفاست کی وجہ سے یورپ میں اِتنی مقبول تھی کہ یورپ کے کارخانوں میں بنا ہُوا کپڑا ماند پڑ گیا تھا-ایسٹ اِنڈیا کمپنی نے برِصغیر کی اس صنعت کو ختم کر دیا - بہت عرصہ تو برطانیہ کا بنا ہُوا کپڑا برِصغیر میں فروخت ہوتا رہا ، لیکن آہستہ آہستہ سُوت بنانے اور سُوتی کپڑا بنانے کے کارخانے لگنے شروع ہو گئے -ان کارخانوں کا مرکز مدراس ، احمدپور ، بمبئی ، کانپور ، امرتسر اور ناگپور ہیں -

پاکستان بننے کے بعد اس صنعت کو سب سے زیادہ فروغ حاصل ہُوا - اب پاکستان میں کراچی، فیصل آباد اور ملتان بڑے مراکز ہیں - پاکستان میں نئی طرز کی مشینیں لگی ہُوئی ہیں جن میں بہت ہی عُمدہ کپڑا تیّار ہوتا ہے - یہ کپڑا باہر کے مُلکوں میں بہت مقبُول ہے - اس کی برآمد سے کروڑوں روپے کی آمدنی ہوتی ہے -

بنگلہ دیش میں ڈھاکہ، میمن سنگھ اور نواکھلی میں سُوتی کپڑے کے کارخانے قائم کیے گئے ہیں -

ریشمی کپڑا

شرُوع شرُوع میں تو کپڑے اصلی ریشم سے بنائے جاتے تھے - اصلی ریشم ریشم کے کیڑوں سے حاصل ہوتی ہے - ریشم کے کیڑے شہتوت کے پتّوں پر پالے جاتے ہیں - لیکن اب اصلی ریشم کی بجائے مصنوعی ریشم سے کپڑے تیّار کیے جاتے ہیں - بھارت میں ریشمی کپڑے کی صنعت کے مراکز آگرہ، بنارس، امرتسر، احمد آباد اور سُورت میں ہیں - پاکستان میں ریشمی کپڑا بنانے کے زیادہ تر کارخانے کراچی، گوجرانوالا اور فیصل آباد میں قائم ہیں -

اُونی کپڑا

برِصغیر اُونی شالیں، کمبل اور پٹو بنانے میں کافی شہرت رکھتا ہے - پاکستان میں اُونی کپڑا بنانے کے کارخانے لارنس پور (ضلع اٹک) ہرنائی (ضلع لورالائی)، بنوں اور کراچی میں بنائے گئے ہیں یہ کارخانے بہت ہی عُمدہ قسم کا کپڑا بناتے ہیں - قالین کی صنعت نے بھی پاکستان میں اہم مقام حاصل کر لیا ہے اور کروڑوں روپے کا زرِمبادلہ قالینوں کی برآمد سے کمایا جاتا ہے - بھارت میں اُونی کپڑا بنانے والے کارخانے بھارتی پنجاب، بنارس، بمبئی اور کانپور میں قائم کیے گئے ہیں -

پٹ سن کی مصنُوعات

پٹ سن کی کاشت بنگلہ دیش میں دُنیا میں سب سے زیادہ ہوتی ہے - اس کے ریشے سے دھاگا اور دیگر مصنُوعات بنانے کے لیے بھارتی بنگال میں ہُگلی کے کنارے بہت سے کارخانے قائم کیے گئے تھے - بنگلہ دیش میں پٹ سن کے کارخانے ڈھاکہ اور میمن سنگھ میں قائم ہیں - اب پاکستان میں پٹ سن کی کاشت شرُوع ہونے کے بعد جڑانوالا، بھولاڑی (ضلع سندھ)، اور منظفر گڑھ میں کارخانے لگائے جا چکے ہیں -

سیمنٹ

عمارتیں بنانے کے لیے سیمنٹ کا استعمال ضرُوری ہے - اس کی کھپت روز بروز بڑھ رہی ہے - برِصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلا کارخانہ مدراس میں قائم ہُوا تھا -

اب بھارت میں بہت سے کارخانے کام کر رہے ہیں۔ زیادہ تر کارخانے صوبہ مدراس، بہار، بھارتی پنجاب اور اُترپردیش میں قائم ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد ہمارے ہاں بھی سیمنٹ کے بہت سے کارخانے قائم ہوئے ہیں کیونکہ پاکستان میں جپسم اور چُونے کا پتھر بافراط ملتا ہے جس سے سیمنٹ بنایا جاتا ہے۔ سیمنٹ بنانے کے کارخانے کوہاٹ، راولپنڈی، جہلم، حیدرآباد، سکھر، کراچی اور میانوالی کے اضلاع میں لگائے گئے ہیں۔ بنگلہ دیش میں سیمنٹ کے کارخانے ضلع سلہٹ میں قائم ہیں۔

شکر شکر یعنی کھانڈ بنانے کی صنعت کو برِصغیر میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بھارت دُنیا میں سب سے زیادہ شکر بناتا ہے لیکن آبادی بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے وہیں خرچ ہو جاتی ہے۔ بھارت کا صُوبہ اُترپردیش گنّے کی پیداوار اور کھانڈ بنانے کے کارخانوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

پاکستان میں کھانڈ کے کارخانے ضلع مردان، بنوں، پشاور، میانوالی، فیصل آباد، سرگودھا، سیالکوٹ، قصور، رحیم یار خاں، بہاولنگر، ساہیوال، جھنگ، حیدرآباد، بدین اور سکھر میں لگائے گئے ہیں۔ پاکستان اب اپنی کھانڈ کی ضرورت کو خود پورا کرتا ہے۔ کیونکہ کھانڈ کا استعمال روزبروز بڑھ رہا ہے اِس لیے پاکستان میں کھانڈ بنانے کے کارخانوں کی تعداد میں سال بہ سال اضافہ ہو رہا ہے۔ بنگلہ دیش میں گنّا بکثرت پیدا ہوتا ہے، اِس لیے وہاں بھی بہت سے کارخانے قائم کیے گئے ہیں جو مُلکی ضرُوریات پوری کرتے ہیں۔ یہ کارخانے ضلع دیناج پور، رنگ پور، ڈھاکہ، راجشاہی، بوگرا اور کُشتیا میں لگائے گئے ہیں۔

کاغذ کتابوں، کاپیوں، اخباروں اور دفتروں میں کام کرنے کے لیے کاغذ کی ضرورت پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ برِصغیر میں کیونکہ جنگلات کم پائے جاتے ہیں اِس لیے کاغذ کے کارخانے یہاں کی ضرُوریات سے کم ہیں۔ اِس لحاظ سے پاکستان سب سے زیادہ خسارے میں ہے۔ بھارت میں کلکتہ کے مقام پر ایک بہت بڑا کارخانہ قائم ہے۔ اِس کے علاوہ آسام اور اُترپردیش میں بھی چند ایک کارخانے ہیں۔

بنگلہ دیش میں کرنافلی پیپر مِل بہت مشہور ہے۔ کھُلنا کے مقام پر اخباری کاغذ بنانے کا کارخانہ بھی قائم ہو چُکا ہے۔ بنگلہ دیش اپنی ضرُورت سے زیادہ کاغذ بناتا ہے اور برآمد کرکے کروڑوں رُوپے کا زرِمبادلہ کماتا ہے۔ پاکستان میں سفید کاغذ بنانے کے کارخانے تو قائم

ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک اخباری کاغذ بنانے کا کوئی کارخانہ نہیں لگا۔

پاکستان میں چارسدہ ، نوشہرہ ، لاہور اور کراچی میں سفید کاغذ بنانے کے کارخانے قائم ہیں۔ ان بڑے بڑے کارخانوں کے علاوہ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے کارخانے مُلکی ضرورِیات کو پُورا کر رہے ہیں۔

چمڑا

برِصغیر پاک و ہند میں گوشت اور دُودھ کی ضروریات پُورا کرنے کے لیے کثیر تعداد میں مویشی پالے جاتے ہیں۔ اس طرح کروڑوں کی تعداد میں ہر سال چمڑے کی کھالیں دستیاب ہوتی ہیں۔ چمڑا رنگنے کے لیے سامان بھی دستیاب ہے۔ پاکستان میں چمڑے کی صنعت نے خاصی ترقی کی ہے۔ بڑے بڑے کارخانے شیخوپورہ ، کراچی اور حیدرآباد میں قائم ہیں۔

بھارت میں اُترپردیش ، پنجاب ، حیدرآباد ، راجستھان اور مدھیہ پردیش اہم مراکز ہیں۔ بنگلہ دیش میں نواکھلی، میمن سنگھ اور ڈھاکہ اہم مراکز ہیں۔

مشق

(ا) 1۔ کسی مُلک کی ترقّی کے لیے زراعت کے علاوہ کِس میدان میں ترقّی زیادہ ضروری ہے؟

2۔ لوہے کی صنعت میں بھارت نے برِصغیر کے باقی ممالک کی نسبت کیونکر زیادہ ترقّی کی ہے؟

3۔ پاکستان لوہے کی ضرورِیات کو پُورا کرنے کے لیے کیا اقدام کر رہا ہے؟ تفصیلاً لکھیں۔

4۔ پاکستان نے کِس صنعت میں سب سے زیادہ ترقّی کی ہے؟ نام بتائیں اور ترقّی کی وجوہات لکھیں۔

5۔ موجودہ ترقّی کے دَور میں سیمنٹ کی اہمیّت کیوں بہت زیادہ ہے؟ پاکستان نے اپنی ضرورِیات میں خُودکفیل ہونے کے لیے کہاں کہاں سیمنٹ کے کارخانے لگائے ہیں؟

6۔ پٹ سن کی مصنوعات بنانے کے لیے سب سے زیادہ کارخانے کِس مُلک میں قائم کیے گئے ہیں؟ وجہ بھی بتائیں۔

(ب) مندرجہ ذیل بیانات میں سے جنھیں آپ درُست سمجھتے ہیں، نشان (✓) لگائیں۔

1۔ لوہے اور فولاد کی صنعت کو بُنیادی صنعت کہتے ہیں۔

2۔ سُوتی کپڑے کی صنعت میں پاکستان بمشکل اپنی ضرورِیات پُورا کرتا ہے۔

3۔ پاکستان پٹ سن کی صنعت میں خودکفیل ہے۔

4۔ کھانڈ بنانے کے کارخانے پاکستان میں بھارت سے زیادہ ہیں۔

5۔ پاکستان میں اخباری کاغذ بنانے کے کئی کارخانے قائم ہیں۔

6۔ بنگلہ دیش میں اپنی ضرورِیات سے زیادہ اخباری کاغذ بنتا ہے۔

(ج) عملی کام: 1۔ پاکستان میں بننے والی مصنوعات کے نمونے اکٹھے کریں اور سکول کے عجائب گھر میں رکھیں۔

2۔ اپنی اپنی کاپی پر برِصغیر کا خاکہ بنائیں اور اس میں سُوتی کپڑا بنانے کے مراکز درج کریں۔

تجارت

آج کل دُنیا کا کوئی مُلک دُوسرے مُلکوں سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ سہولت سے زندگی گزارنے کے لیے ممالک آپس میں لین دین کرتے ہیں۔ جب کوئی ملک کوئی چیز اپنی ضرورت سے زیادہ پیدا کرتا ہے تو وہ چیز دُوسرے مُلکوں کے ہاتھوں بیچ دیتا ہے، اسے 'برآمد' کہتے ہیں اور جو چیز وہ دُوسرے ممالک سے منگواتا ہے اسے 'درآمد' کہتے ہیں۔

برآمد

برِصغیر پاک و ہند کی آبادی بہت زیادہ ہے اس لیے اپنی ضروریات کو پُورا کرنے کے بعد برآمد کرنے کے لیے چیزیں کم ہی باقی رہ جاتی ہیں۔ لیکن کسی مُلک کی تجارت اُسی صُورت میں اچھی ہوتی ہے، جب وہ زیادہ سے زیادہ چیزیں برآمد کرے۔ اب بھارت پٹ سن کی بنی ہُوئی چیزیں، تیل نکالنے والے بیج، کپاس، چائے، سُوتی کپڑا اور چمڑا دُوسرے مُلکوں کو برآمد کرتا ہے۔

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اس لیے یہاں سے زیادہ تر وہی چیزیں برآمد کی جاتی ہیں جن کا انحصار زرعی پیداوار پر ہے۔ برآمدات میں کپاس، سُوتی کپڑا، سُوتی دھاگا، چاول، چمڑا، مچھلی، کھیلوں کا سامان، قالین اور جُوتے شامل ہیں۔

پاکستان کی طرح بنگلہ دیش بھی زراعتی مُلک ہے اِس لیے وہاں کی برآمدات میں پٹ سن، پٹ سن سے بنی ہُوئی اشیا، چائے، تیل نکالنے والے بیج، چمڑا، کاغذ اور دیا سلائی شامل ہیں۔ نیپال عمدہ قسم کی لکڑی برآمد کرتا ہے۔

درآمد

بنگلہ دیش اپنی ضرُوریات پُوری کرنے کے لیے چاول، مشینری، لوہے اور فولاد کا سامان بجلی کا سامان اور ادویات وغیرہ باہر کے ممالک سے منگواتا ہے۔

پاکستان مُلکی ضرُوریات پُوری کرنے کے لیے مشینری، لوہے اور فولاد کا سامان، ریلوے انجن، ریل کار، ٹریکٹر، پٹرولیم، بجلی کا سامان، ادویات، کاغذ، گندم اور چائے باہر کے ممالک سے منگواتا ہے۔

بھارت کی درآمد پٹرولیم، چاول، کپاس، کیمیکلز، ادویات، لوہے اور فولاد کا سامان، سٹیشنری اور گندم پر مشتمل ہے۔ نیپال پٹرولیم، کاغذ، ادویات اور مشینری وغیرہ درآمد کرتا ہے۔

برِصغیر کے ممالک بھی آپس میں تجارت کرتے ہیں - بھارت پاکستان سے کپاس درآمد کرتا ہے -اِس کے عوض پاکستان لوہے کی بنی ہُوئی اشیا درآمد کرتا ہے -بنگلہ دیش سے بھی پاکستان کے تجارتی تعلقات قائم ہوگئے ہیں - نیپال اپنی ضرُوریات پُوری کرنے کے لیے اشیا بھارت اور پاکستان سے منگواتا ہے -

مشق

(ا) خالی جگہوں کو پُر کریں -

1- جو اشیا دُوسرے مُلکوں کے ہاتھوں فروخت کی جاتی ہیں اُسے اُس مُلک کی .... کہتے ہیں-

2- جو اشیا ملک میں منگوائی جاتی ہیں اُسے .... کہتے ہیں-

3- کسی مُلک کی تجارت اُسی صُورت میں بہتر سمجھی جاتی ہے جب اُس کی .... سے زیادہ ہو-

4- پاکستان سب سے زیادہ زرِمبادلہ........... کی برآمد سے حاصل کرتا ہے -

5- پاکستان درآمدات میں سے زیادہ زرِمبادلہ .... پر خرچ کرتا ہے -

6- آج کل بھارت ، پاکستان سے .... درآمد کر رہا ہے -

(ب) **عملی کام :-** اپنی اپنی کاپی پر ایک چارٹ بنائیں - ایک طرف برِصغیر کے ممالک کی علٰحدہ علٰحدہ درآمد لکھیں اور دوسری طرف علٰحدہ علٰحدہ برآمد لکھیں-

اور درخت کاٹنا اہم پیشے ہیں۔

بھارت کی آبادی

بھارت میں قریباً 70 کروڑ لوگ بستے ہیں۔آبادی کے لحاظ سے بھارت دُنیا میں چین کے بعد دُوسرے نمبر پر ہے۔

دریائے گنگا اور جمنا کا میدان، دریائے ستلج اور بیاس کا میدان اور ساحلی میدانوں میں آبادی گنجان ہے۔ان علاقوں کی زمین زرخیز ہے۔بارش بھی کافی ہوتی ہے اور جن علاقوں میں بارش کم ہے، وہاں نہریں کھودی گئی ہیں۔

بھارت میں صُوبہ بہار اور مدھیہ پردیش میں جہاں معدنیات مِلتی ہیں اور جن علاقوں میں کارخانے لگائے گئے ہیں، وہاں آبادی گنجان ہے۔

بھارت میں صُوبہ راجستھان اور شمالی پہاڑی علاقوں میں آبادی کم ہے۔ دکن کے علاقے میں آبادی نہ زیادہ گنجان ہے، نہ زیادہ کم۔

بھارت کے لوگوں کے اہم پیشے زراعت، صنعت وحرفت، کان کنی اور تجارت ہیں۔

نیپال کی آبادی

نیپال کی آبادی ایک کروڑ سے زائد ہے۔پہاڑی مُلک ہونے کی وجہ سے آبادی گنجان نہیں۔اب نیپال کی حکومت مُلکی ترقّی کے لیے بہت سے منصُوبوں پر عمل کر رہی ہے۔زراعت پر خصُوصی توجہ دی جارہی ہے۔تجارت اور صنعت کی طرف بھی توجہ دی جا رہی ہے۔دُشوار گزار علاقوں اور پہاڑوں کی رکاوٹوں کو دُور کیا جا رہا ہے اور آمدورفت بھی آسان ہو رہی ہے۔اس طرح آبادی میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔یہاں کے لوگ زیادہ تر بُدھ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔

ریاست جموں وکشمیر میں پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے آبادی کم ہے۔یہاں مُسلمانوں کی اکثریت ہے۔

برِّصغیر کے ممالک کے بچّے

بچّہ خواہ کسی بھی مُلک یا قوم میں پیدا ہو اُس کی فطرت ایک سی ہوتی ہے۔ لیکن جُوں جُوں وہ بڑھتا اور پرورش پاتا ہے، اپنے ماحول کا اثر قبُول کرتا چلا جاتا ہے۔ پھر وہ اِس قسم کا لباس پہنتا ہے، جیسا اس کی قوم اور مُلک کے لوگ پہنتے ہیں۔ ان کی ہی زبان میں باتیں کرنے لگتا ہے، اِسی قِسم کی غذا کا بھی عادی ہو جاتا ہے اور اپنے ماحول کے مطابق کھیل کھیلتا ہے۔

برِصغیر میں چار بڑے مُلک شامل ہیں پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور نیپال۔ اِن کے علاوہ کشمیر کی وادی بھی شامل ہے جو خُوبصُورتی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ شمالی علاقوں کے علاوہ سارے برِصغیر کی آب و ہوا گرم مرطُوب ہے۔ یہاں پر گرمیوں کا موسم لمبا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتے ہیں۔ اگرچہ اب مغربی اثرات کے باعث سُوٹ وغیرہ کا رواج عام ہو گیا ہے پھر بھی دیہات کے عام لوگ پرانی طرز کا ہی لباس اِستعمال کرتے ہیں۔ ان کی غذا بھی سادہ ہوتی ہے اور کھیل بھی وہی ہیں جو اِن کے ہاں عرصۂ دراز سے کھیلے جا رہے ہیں۔

پاکستان کے بچّے

پاکستان میں چار صُوبے ہیں لیکن تمام بچّوں کی عادات مِلتی جُلتی ہیں۔ تمام بچّے اپنی قومی زبان اُردو میں بات چیت کر سکتے ہیں، پڑھ سکتے ہیں۔ اور لِکھ سکتے ہیں۔ بچّے عام طور پر قمیص، شلوار یا تہمند پہنتے ہیں۔ سرحد کے بچّے شلوار اور قمیص پہنتے ہیں اور لُنگی یا کپڑے کی ٹوپی سے سر ڈھانپتے ہیں۔ یہ بچّے بچپن ہی سے بندوق چلانا سیکھ جاتے ہیں، اس لیے بڑے اچھے نشانچی ہوتے ہیں۔ ان کی پسندیدہ غذا روٹی اور گوشت ہے۔

پنجاب کے بچّے جو زیادہ تر دیہات میں رہتے ہیں، سکُول میں لِکھنے پڑھنے کے علاوہ کھیتی باڑی میں اپنے ماں باپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ گندم کی روٹی شوق سے کھاتے ہیں۔ چاول بھی اُن کی پسندیدہ غذا ہے، دُودھ دہی کے بھی شوقین ہیں۔ شہروں میں رہنے والے بچّوں کی بھی پسندیدہ غذا یہی ہے۔ کبڈی، کُشتی اور گُلی ڈنڈا دیہات کے بچّوں کے پسندیدہ کھیل ہیں۔ شہروں کے بچّے ہاکی، فٹ بال، کرکٹ اور بیڈمنٹن میں دلچسپی لیتے ہیں۔

سندھ کے بچّے شلوار اور قمیص پہنتے ہیں۔ اِن کے سَروں پر سُرخ رنگ کی ٹوپیاں جن میں

شیشے جڑے ہوتے ہیں ، بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں - یہ بچے بھی سکول سے آکر گھر کے کام کاج میں اپنے والدین کا ہاتھ بٹاتے ہیں - کھیل کود کے بھی شوقین ہیں -

بلوچستان کے بچے بڑے جفاکش ہوتے ہیں - بچپن سے محنت و مشقت کے عادی بن جاتے ہیں - خانہ بدوش بچے اپنے والدین کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے ہیں - روٹی اور گوشت ان کی مرغوب غذا ہے -

کشمیر کے بچے

کشمیر ایک حسین وادی ہے - یہاں کے بچے گورے رنگ کے ہوتے ہیں - چھوٹی عمر میں ہی لکڑی کا کام سیکھ لیتے ہیں - یہ عمدہ قسم کے قالین بھی بناتے ہیں - بھیڑیں اور بکریاں چرانا ان کا محبوب مشغلہ ہے -

بھارت کے بچے

بھارت کی آب و ہوا پاکستان سے ملتی جلتی ہے اس لیے وہ بھی ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتے ہیں - البتّہ ہندوؤں کے لباس اور مسلمانوں کے لباس میں فرق ہوتا ہے - ہندو عام طور پر دھوتی پہنتے ہیں - وہاں کے مسلمان شلوار یا پاجامہ زیب تن کرتے ہیں - مغربی لباس کا استعمال بھی عام ہے - چاول اور گندم دونوں عام غذائیں ہیں - گوشت مسلمان بچوں کی مرغوب غذا ہے - ہندو زیادہ تر سبزیاں اور دالیں کھاتے ہیں - دیہات کے بچے کبڈی، گلی ڈنڈا اور دیگر مقامی کھیل کھیلتے ہیں - شہروں کے بچے ہاکی ، کرکٹ اور فٹ بال کے شوقین ہیں - چونکہ بھارت ایک وسیع ملک ہے اس لیے ہر علاقے کی زبان ، لباس اور خوراک میں بڑا فرق ہے - شمالی بھارت کے لوگ گندم کی روٹی پسند کرتے ہیں جبکہ جنوبی بھارت اور بھارتی بنگال کے لوگ چاول کے شوقین ہیں -

بنگلہ دیش کے بچے

بنگلہ دیش دریاؤں کی سرزمین ہے اور بارشیں بھی بکثرت ہوتی ہیں - برسات کے موسم میں یہ علاقہ جل تھل ہو جاتا ہے - اس لیے کشتی کی بہت ضرورت پڑتی ہے ، یہی وجہ ہے کہ بنگلہ دیش کے بچے بہت جلد کشتی چلانا سیکھ جاتے ہیں - یہ بچے تہمند یا پاجامہ اور کرتا پہنتے ہیں - مچھلی اور چاول ان کی مرغوب غذا ہے -

بنگلہ دیش کے قریباً تمام بچے تیرنا جانتے ہیں - اکثر سکول پہنچنے کے لیے انھیں کوئی نہ کوئی ندی پار کرنا پڑتی ہے - یہ اپنے کپڑے اور بستا سر پر رکھ کر ندی پار کر جاتے ہیں - یہ دُبلے پتلے بچے بڑے ذہین اور ہوشیار ہوتے ہیں - مچھلیاں پکڑنا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے -

نیپال کے بچے

نیپال کے اکثر لوگ بدھ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں - ان کے علاوہ ہندو اور

مسلمان بھی یہاں رہتے ہیں - نیپال ایک ترقی پذیر ملک ہے - یہاں پر کھیتی باڑی کو بہت ترقی دی جارہی ہے - تجارت اور صنعت کے میدانوں میں بھی روز بروز ترقی ہو رہی ہے - بچّوں کے لیے تعلیم کا مناسب انتظام کیا گیا ہے - یہ بچے بہت محنتی ہیں اور دیگر ترقی پذیر ملکوں کے بچوں کی طرح زندگی کی دوڑ میں آگے نکلنے کی خواہش رکھتے ہیں اس لیے مُلکی ترقی کے کاموں میں بھی بڑے شوق سے حصّہ لیتے ہیں -

برّصغیر کے ممالک کے پرچم

ہر مُلک کا قومی پرچم ہوتا ہے جس سے اُس مُلک کی اہم خصوصیات کا پتا چلتا ہے - ہر مُلک کے باشندے اپنے قومی پرچم کا احترام کرتے ہیں - برّصغیر کے ممالک کے مخصوص پرچم درجِ ذیل ہیں -

پاکستان

پاکستان کا ہلالی پرچم اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہاں مُسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن ساتھ ساتھ اور مذہبوں کے لوگ بھی رہتے ہیں - پرچم کا تین چوتھائی حِصّہ سبز رنگ کا ہے - اس حِصّے میں چاند ستارا بنا ہُوا ہے - باقی ایک چوتھائی سفید ہے جو اقلیتوں کی نشاندہی کرتا ہے -

بنگلہ دیش

بنگلہ دیش کے پرچم کا رنگ سبز ہے جو اِس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ وہاں مُسلمانوں کی اکثریت ہے - پرچم کے درمیان سُرخ رنگ کا گول نشان ہے -

بھارت

بھارت کے پرچم میں تین رنگ ہیں ، جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہاں کئی قومیں آباد ہیں - سب سے اُوپر نارنجی رنگ کی پٹی ہے - درمیان میں سفید رنگ کی اور نیچے سبز رنگ کی - پرچم میں ایک چکّر بنا ہُوا ہے - جِسے 'اشوک چکر' کہتے ہیں -

نیپال

نیپال کا پرچم دو تکونوں پر مشتمل ہے جو قرمزی رنگ کی ہیں - ان کے حاشیے پر نیلی باریک پٹی ہے - ان تکونوں میں سفید رنگ کے دو نشان ہیں ، اُوپر کی تکون میں ہلالی چاند کا نشان ہے اور نیچے کی تکون میں سُورج کا -

بّرِصغیر کے مشہوٗر شہر

بّرِصغیر میں زیادہ تر لوگ دیہات میں رہتے ہیں ، لیکن اب صنعتی اور تجارتی ترقّی کے ساتھ ساتھ شہروں میں آبادی بڑی تیزی سے منتقل ہو رہی ہے جس سے نہ صرف پرانے شہروں کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ کئی نئے شہر بھی آباد ہو رہے ہیں ۔ بّرِصغیر کے اہم شہر مندرجہ ذیل ہیں ۔

کراچی کراچی پاکستان کی قدرتی بندرگاہ ہے ۔ پاکستان کی قریباً تمام تجارت کراچی کی بندرگاہ کے راستے ہوتی ہے ۔ کراچی ایک بین الاقوامی ہوائی اڈا بھی ہے ۔ یہاں کی آبادی بہت زیادہ ہے ۔ سُوتی ، اُونی اور ریشمی کپڑے بنانے کے بہت سے کارخانے ہیں ۔ معدنی تیل صاف کرنے کے بھی دو کارخانے ہیں ۔ تجارتی لحاظ سے یہ شہر بین الاقوامی اہمیّت رکھتا ہے ۔ تعلیم کا بہت بڑا مرکز ہے ۔ یہاں کی خُوبصورت عمارات قابلِ دید ہیں ۔ کراچی روز بروز ترقّی کر رہا ہے ۔ کراچی میں فولاد بنانے کا ایک کارخانہ لگایا جا رہا ہے جو ہماری صنعتی ترقّی میں مدد دے گا ۔ قائداعظمؒ یہیں پیدا ہُوئے اور اُن کا مزار بھی کراچی میں واقع ہے ۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق کراچی کی آبادی 51 لاکھ ہے ۔

لاہور پاکستان کا دُوسرا بڑا شہر لاہور ہے جو صُوبہ پنجاب کا صدر مقام ہے ۔ لاہور میں مُغلوں کے زمانے کی بنائی ہُوئی عظیم الشّان عمارات ہیں ۔ شاہی قلعہ ، شالامار باغ ، مقبرہ جہانگیر اور بادشاہی مسجد قابلِ دید ہیں ۔ موجُودہ دَور کی عمارات میں واپڈا ہاؤس اور الفلاح بلڈنگ بہت خُوبصورت ہیں ۔ لاہور کو یہ شرف حاصل ہے کہ اِس شہر میں قراردادِ پاکستان منظور ہُوئی ۔ اقبال پارک لاہور میں مینارِ پاکستان ، تحریکِ پاکستان کی عظمت کا نشان ہے ۔ اِس شہر میں فروری 1974ء میں اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہُوئی ۔ اس کانفرنس کی یاد میں اسمبلی ہال کے سامنے ایک یادگار تعمیر کی گئی ہے ۔ لاہور ، ' کالجوں کا شہر ' کے نام سے مشہور ہے ۔ یہاں دو یونیورسٹیاں قائم ہیں ۔ لاہور سے بہت بڑی تعداد میں اخبار اور رسالے چھپتے ہیں ۔ لاہور میں ایک شاندار عجائب گھر اور ایک چڑیا گھر ہے جو بچّوں کی دلچسپی کا مرکز ہے ۔

بّرِصغیر کا سب سے بڑا ریلوے ورکشاپ مغلپورہ (لاہور) میں واقع ہے ۔ لاہور سے ایک

ریلوے لائن اور سڑک بھارت کو جاتی ہے ۔ لاہور میں کئی بزرگانِ دین دفن ہیں ۔ اِن میں حضرت داتا گنج بخشؒ کا مرتبہ بہت بلند ہے ۔ آپ کے مزار پر لوگ دُور دُور سے زیارت کے لیے آتے ہیں۔ لاہور میں شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کا مزار شاہی مسجد کے قریب واقع ہے ۔ 1981ء کی مَردُم شماری کے مطابق لاہور کی آبادی 29 لاکھ ہے۔

اسلام آباد

پوٹھوہار کے علاقے میں راولپنڈی کے قریب پاکستان کا دارالحکومت اسلام آباد واقع ہے ۔ یہ شہر خوبصورت ہے ۔ دِلکش اور قُدرتی مناظر ہر طرف پھیلے ہُوئے ہیں ۔ اس کی عمارات جدید طرزِ تعمیر کا نمونہ ہیں ۔ مرکزی حکومت کے بیشتر دفاتر اسلام آباد میں ہیں۔ غیر مُلکی سفارت خانے بھی اسلام آباد میں واقع ہیں ۔ اسلام آباد میں حکومتِ سعُودی عرب کی مدد سے شاندار مسجد تعمیر ہو رہی ہے جو دُنیا کی عظیم الشّان مساجد میں شمار ہوگی ۔ 1981ء کی مَردُم شماری کے مطابق اسلام آباد کی آبادی 2 لاکھ تک ہے ۔

کوئٹہ

کوئٹہ ، صُوبہ بلوچستان کا صدر مقام ہے ۔ یہاں کا موسم گرمیوں میں بہت خُوش گوار ہوتا ہے ، اِس لیے گرمیوں میں پاکستان کے مختلف علاقوں سے لوگ یہاں گرمیاں گزارنے آتے ہیں ۔ سیب ، بادام ، خوبانی اور گرما یہاں کے مشہُور پھل ہیں ۔ خُشک میوے بھی بڑی مقدار میں باقی صُوبوں کو بھیجے جاتے ہیں ۔ کوئٹہ میں ریڈیو اور ٹی وی سٹیشن بھی قائم کئے گئے ہیں ۔ کوئٹہ میں فوجی چھاؤنی بھی ہے ۔ کوئٹہ سے ریلوے لائن اور ایک سڑک ایران کو جاتی ہے ۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی 3 لاکھ ہے ۔

پشاور

پشاور ، شمال مغربی سرحدی صُوبے کا صدر مقام ہے ۔ یہ پُرانا اور تاریخی شہر ہے ، اس کے قریب مشہُور درّہ خیبر واقع ہے یہ پھلوں اور میوہ جات کی تجارت کے لیے خاص طور پر مشہور ہے ۔ تعلیمی مرکز بھی ہے ۔ پشاور یونیورسٹی کی قابلِ دید عمارت ہیں ۔

پشاور کے بنے ہُوئے چمڑے کے بکس ، گرم چادریں اور پشاوری چپل بہت مشہور ہیں ۔ افغانستان سے تجارت پشاور کے راستے ہوتی ہے ۔ تجارتی سامان درّہ خیبر کے راستے افغانستان بھیجا جاتا ہے ۔ 1981ء کی مَردُم شماری کے مطابق اس کی آبادی ساڑھے 5 لاکھ ہے ۔

کھٹمنڈو

نیپال کا دارالحکومت کھٹمنڈو ہے ۔ اس کی آبادی قریباً ڈیڑھ لاکھ ہے ۔ یہاں ہندوؤں اور بودھوں کے ان گنت مندر ہیں ۔

کھٹمنڈو نیپال کا صنعتی، تجارتی اور تعلیمی مرکز ہے۔ ملک کا ایک ہی بڑا شہر ہونے کی وجہ سے اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔کھٹمنڈو میں ایک ہوائی اڈا بھی ہے۔

دہلی

دہلی، بھارت کا دارالحکومت ہے۔ بہت پرانا تاریخی شہر ہے۔ مدتوں مسلمان بادشاہوں کا صدر مقام رہا ہے۔ یہاں لال قلعہ، جامع مسجد، قطب مینار اور کئی دوسری تاریخی عمارات ہیں جو مسلمان بادشاہوں نے تعمیر کروائی تھیں۔ دہلی بھارت کا علمی اور تہذیبی مرکز ہے۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی قریباً ساڑھے 36 لاکھ ہے۔

کلکتہ

کلکتہ دریائے گنگا کے ڈیلٹائی علاقے میں بھارت کی بہت بڑی بندرگاہ ہے۔ بھارت کے مشرقی علاقوں کی تمام تجارت اسی بندرگاہ کے راستے ہوتی ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ بھارت کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہاں بہت سے سوتی کپڑا بنانے کے کارخانے پٹ سن سے مختلف مصنوعات بنانے کے کارخانے اور کاغذ بنانے کے کارخانے ہیں۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی قریباً 70 لاکھ 32 ہزار ہے۔

بمبئی

بمبئی بھارت کے مغربی ساحل کی اہم قدرتی بندرگاہ ہے۔ یہ شہر برصغیر کے پرانے شہروں میں سے ایک ہے۔ سوتی کپڑا بنانے کا بہت بڑا مرکز ہے۔ یہاں سے سوتی کپڑا برآمد کیا جاتا ہے۔ بمبئی قدرتی مناظر کا شہر ہے۔ سمندر کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے یہاں بہت خوبصورت مناظر پائے جاتے ہیں۔ بھارت کی فلم انڈسٹری کا مرکز ہے۔ قائداعظمؒ بمبئی میں کئی سال وکالت کرتے رہے۔ ان کی یاد میں بمبئی میں جناح ہال بھی تعمیر کیا گیا تھا۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی قریباً 52 لاکھ ہے۔

مدراس

مدراس مشرقی بھارت کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ بھارت کی مشہور بندرگاہ ہے۔ تجارتی شہر ہے۔ کپڑا بنانے اور چمڑے سے بے شمار مصنوعات بنانے کے کارخانوں کے لیے مشہور ہے۔ مدراس بہت پرانی فوجی چھاؤنی ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ بھارت کا تیسرا بڑا شہر ہے۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق قریباً 32 لاکھ کی آبادی ہے۔

ڈھاکہ

ڈھاکہ، بنگلہ دیش کا دارالحکومت ہے۔ پرانا تاریخی شہر ہے۔ مسلمانوں کے عہد میں یہاں کی ململ بہت مشہور تھی۔ مغلوں کے وقت میں اس شہر نے بہت ترقی کی۔ آج کل پٹ سن، چائے اور تمباکو کے کاروبار کا مرکز ہے۔ ڈھاکہ میں ایک یونیورسٹی اور بہت سے کالج قائم ہیں۔ بہت سی مسجدوں کی وجہ سے ڈھاکہ کو مسجدوں کا شہر بھی

کیا جاتا ہے ۔

چٹاگانگ چٹاگانگ ، دریائے کرنافلی کے کنارے آباد ہے ۔ بنگلہ دیش کی مشہور بندرگاہ ہے ۔ بنگلہ دیش کی قریباً ساری تجارت اِسی بندرگاہ کے راستے ہوتی ہے۔ ڈھاکہ کے بعد بنگلہ دیش کا سب سے بڑا تعلیمی ، تجارتی اور صنعتی شہر ہے ۔ یہاں پٹ سن سے مختلف مصنوعات بنانے کے کارخانے ہیں ۔ کپڑا ، کاغذ اور سیمنٹ بنانے کے کارخانے بھی لگائے گئے ہیں ۔

مشق

(ﺍ) 1۔ برِصغیر کو بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے کیا کیا مسائل درپیش ہیں ؟

2۔ پاکستان میں دریائے سندھ کے بالائی میدان میں آبادی زیادہ ہے اور زیریں حصے میں کم۔ وجہ بتائیے۔

3۔ بھارت کے کن علاقوں میں آبادی کم ہے ؟ وجہ بتائیں ۔

4۔ پاکستان کے مختلف علاقوں کے بچّوں میں کون کون سی باتیں ایک جیسی پائی جاتی ہے ؟

5۔ کشمیر میں رہنے والے بچّوں میں کیا کیا خصوصیات پائی جاتی ہیں ؟

6۔ پاکستان کا پرچم کن کن باتوں کی نشاندہی کرتا ہے ؟

7۔ پاکستان میں آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا شہر کون سا ہے ؟ اس کی زیادہ آبادی ہونے کی کیا وجوہات ہیں؟

8۔ کراچی کے مقابلے میں بھارت کی سب سے بڑی بندرگاہ کون سی ہے ؟ اسے بھارت میں کیا اہمیت حاصل ہے؟

(ب) مندرجہ ذیل میں لکیر کے دونوں جانب بیانات دیے ہوئے ہیں ۔ آپ ان بیانات کو اس طرح ملائیں کہ صحیح مفہوم واضح ہو جائے ۔

بھارت کے پرچم میں	تین رنگ ہیں ۔
پاکستان کے پرچم میں	چاند ستارہ ہے ۔
نیپال کے پرچم میں	دو تکونیں بنی ہیں ۔
بنگلہ دیش کے پرچم میں	سُرخ رنگ کا گول نشان ہے ۔

(ج) **عملی کام :** 1۔ اپنی اپنی کاپی پر رنگین پنسلوں کی مدد سے برِصغیر کے ممالک کے پرچم بنائیں ۔

2۔ برِصغیر کی مشہور تاریخی عمارتوں کی تصاویر جمع کریں اور اپنی اپنی کاپی کے صفحات پر لگائیں ۔

6

برِّصغیر مسلمانوں کی آمد سے قبل

پاکستان میں چند ایک مقامات کی کھدائی سے جو کھنڈرات ملے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خطۂ زمین میں انسانی زندگی کا آغاز آج سے ہزاروں سال پہلے ہُوا۔ اِس کے آثار وادئ سون میں ملے ہیں جن میں پتھر کے اوزار اور مٹی کے برتن قابلِ ذِکر ہیں۔ تاہم ترقی یافتہ تہذیب کا انکشاف اُس وقت ہوا جب موئن جودڑو اور ہڑپا کی کھدائی ہُوئی۔ یہ تہذیب وادئ سندھ کی تہذیب کے نام سے موسُوم ہے۔

وادئ سندھ کی تہذیب

قریباً پانچ ہزار سال پہلے دریائے سندھ کے میدان میں بہت سی بستیاں آباد ہوئیں۔ ان بستیوں کے آثار سندھ میں موئن جودڑو (ضلع لاڑکانہ) اور پنجاب میں ہڑپا (ضلع ساہیوال) میں پائے گئے ہیں۔ ان دونوں مقامات کے درمیان قریباً **650** کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ لیکن کھنڈرات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے یہاں کے لوگوں کا رہن سہن کافی حد تک ایک جیسا تھا۔

آیئے ان کھنڈرات کی سیر کریں اور دیکھیں کہ یہ لوگ کس طرح رہتے تھے۔

موئن جودڑو

موئن جودڑو کے معنی ہیں 'مُردوں کے ٹیلے'۔ اِن ٹیلوں کی کھدائی سے ایک عظیم الشّان شہر کے نشانات ملے ہیں۔ اِن کھنڈرات سے پتا چلتا ہے کہ اُس زمانے میں مکانات پکّی اینٹوں سے بنائے جاتے تھے۔ اِن میں غُسل خانے اور باورچی خانے الگ بنائے جاتے تھے۔ سڑکیں چوڑی تھیں۔ پانی کے نکاس کے لیے نالیاں بنائی جاتی تھیں۔

اندازا ہوتا ہے کہ وہ لوگ کپاس کی کاشت سے واقف تھے۔ یہاں بہت سے کھلونے اور مُہریں بھی نکلی ہیں۔ کھلونوں میں ایک بیل ایسا برآمد ہُوا ہے جس کی دُم ہلانے سے اِس کا سَر بھی ہلنے لگتا ہے۔

تصویر میں دی گئی مُہروں پر آپ کچھ تحریریں بھی دیکھ سکتے ہیں لیکن اِن کا مطلب سمجھ



نہیں آسکا۔ مٹی کے بہت سے برتنوں پر نقش و نگار بھی پائے گئے ہیں۔

آج کل کے لوگوں کی طرح وہ لوگ بھی سونے، چاندی اور پیتل وغیرہ کے زیورات کے شوقین تھے۔آپ اس زمانے کے ہاروں، انگوٹھیوں، کڑوں اور چوڑیوں کی تصاویر اپنی کتاب میں دیکھ سکتے ہیں۔یہ لوگ مختلف کھیل بھی کھیلتے تھے۔ خیال ہے کہ وہ لوگ آمدورفت کے لیے بیل گاڑیوں کا استعمال کرتے تھے کیونکہ ایک 'کھلونا گاڑی' بھی ملی ہے۔گندم کے دانے بھی ملے ہیں جن کا رنگ سیاہ ہو چکا ہے، مگر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔

ہڑپا ہڑپا (ضلع ساہیوال) میں بھی کھدائی کے بعد موئن جو دڑو کی طرح کے کھنڈرات ملے ہیں۔ ان کھنڈرات سے پتا چلتا ہے کہ یہ شہر بھی آج کل کے شہروں کی طرح ایک منصوبے کے تحت تعمیر کیا گیا تھا۔اس میں باقاعدہ سڑکیں تھیں۔ مکانات پکّی اینٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ ہر مکان میں کشادہ صحن موجود تھا۔سونے چاندی کے خوبصورت زیورات بھی ملے ہیں۔ برتنوں پر خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اور کبوتر، مرغ، طوطے،

سانپ ، ہاتھی اور شیروں کی تصویریں بنی ہُوئی ہیں ۔ ایک برتن پر فاختہ سے ملتی جُلتی تصویر بنی ہُوئی ہے ۔

اِن کھنڈرات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ صفائی کے اصُولوں سے واقف تھے کیونکہ یہاں کوڑا کرکٹ پھینکنے کے لیے الگ جگہیں بنی ہوئی تھیں ۔ نالیاں ڈھکی ہُوئی تھیں اور ہر گلی میں پختہ بدرَرو بھی تھی ۔ اس بدرَرو کو لکڑی یا پتھروں سے ڈھانپ دیا جاتا تھا۔ کنویں بھی عام تھے جن پر مُسافروں کے پانی پینے کے لیے برتن وغیرہ رکھے جاتے تھے ۔ غلّے کو



محفُوظ رکھنے کے لیے گودام بنائے جاتے تھے ۔

اِن کھنڈرات کی کُھدائی سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ لوگ اپنے مُردوں کو دفن کرتے تھے اور بعض اوقات مُردے کے ساتھ برتن زیورات وغیرہ بھی دفن کر دیتے تھے ۔

مُہروں پر جانوروں کی تصویریں بنی ہُوئی ہیں ۔ کچھ مُورتیاں بھی مِلی ہیں ۔ اِن میں تختِ پر بیٹھی ایک ایسی مُورتی مِلی ہے جس کے سَر پر سینگ ہیں اور اِس کے اِردگرد ہاتھی، شیر، گینڈا اور ہرن کھڑے ہیں ۔

موئن جودڑو ، ہڑپا اور لاہور کے عجائب گھروں میں پرانے زمانے کے شہروں سے برآمد شدہ بُہت سے کھلونے ، برتنوں کے نمونے اور زیورات وغیرہ دیکھے جا سکتے ہیں۔

برِصغیر میں آریاؤں کی آمد

موئن جودڑو اور ہڑپا کی کھُدائی سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی حملہ آور قوم نے یہاں کے باشندوں کا بے دردی سے قتلِ عام کیا اور خوُد اس علاقے پر قابض ہو گئی ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اِس تہذیب کو تباہ کرنے والے آریا تھے جو وسط ایشیا سے خوراک کی تلاش میں پھرتے یہاں آئے ۔ وسط ایشیا میں یہ لوگ خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرتے ، جانوروں کے گلے چراتے اور ان کے دُودھ اور گوشت پر گزارا کرتے تھے ۔ وہ لوگ فطرتاً جنگجُو تھے ۔ وہ کھیتی باڑی کے اعلیٰ طریقوں سے ناواقف تھے ۔ شراب پینے اور کھیل تماشے کے بے حد شوقین تھے ۔

آریا کچھ مُدت کے لیے پنجاب میں ٹھہرے ، پھر آگے بڑھ کر گنگا اور جمنا کی وادی میں آباد ہو گئے اور اُنھوں نے اس علاقے کو اپنا وطن بنا لیا ۔

ذات پات

ابتدا میں آریاؤں کا رہن سہن سادہ تھا ۔ آریا لوگ سوُرج ، چاند ، ستاروں اور آگ کی پُوجا کیا کرتے تھے ۔ مذہبی رُسوم کو خاندان کا بزرگ ادا کرتا تھا ۔ مگر آہستہ آہستہ آریا اپنے آپ کو مقامی باشندوں سے برتر سمجھنے لگے ۔ اِن میں ذات پات کی تقسیم شروع ہو گئی ۔ شرُوع شرُوع میں اِن کی چار بڑی ذاتیں تھیں جو برہمن ، کھشتری ، ویش اور شُودر کہلائے ۔ برہمن مذہبی رُسوم ادا کرتے تھے ۔ کھشتری کے ذمے حکومت اور ملک کی حفاظت کرنا تھا ، ویش زراعت اور تجارت کا کاروبار کرتے تھے ۔ برِصغیر کے اصل باشندے جن کے رنگ سانولے تھے ، شُودر کہلائے ۔

شُودروں کو معاشرے میں بدترین مقام دیا گیا ۔ ان کو شہر سے باہر آباد کیا جاتا تھا تاکہ ان کا سایہ برہمنوں پر نہ پڑے ۔ اگر کوئی شُودر مذہبی کتاب کا کوئی فقرہ سُن لیتا تو اُس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا ، اگر زبان سے کوئی لفظ ادا کر دیتا تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی ۔ شُودروں کو قتل کر دینا اُن کے لیے معمُولی بات تھی ۔ ذات پات کی یہ تفریق دُنیا کی بدترین مثال تھی ۔

ہندُوؤں کے رہنے سہنے کے طریقے

ہندُو تنگ و تاریک گھروں میں رہتے تھے ۔

عورت کو گھٹیا خیال کیا جاتا تھا۔ اگر کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اُسے مُردے کے ساتھ ہی زندہ جلا دیا جاتا۔ اسے 'ستی کی رسم' کہتے ہیں۔ سزاؤں میں بھی ذات پات کا فرق موجود تھا۔ شُودر کو قتل کر دینا معمُولی بات تھی جبکہ برہمن کو قتل کرنا سنگین جُرم تھا۔ تمام علوم سنسکرت زبان میں تھے اور نچلے طبقوں کے لیے اس زبان کا سیکھنا منع تھا۔ چھُوت چھات اور ذات پات کی تقسیم سے غریبوں اور نیچی ذات کے لوگوں کی حالت بدتر ہوتی چلی گئی۔

بُدھ مت

چھُوت چھات اور ذات پات کے ستائے ہُوئے عوام کی حالت جب بہت خراب ہو گئی تو وہ کسی ایسے نجات دہندہ کا انتظار کرنے لگے جو اُنھیں ہندُوؤں کے ظلم وستم سے نجات دلائے۔

ان حالات میں برِصغیر میں ایک نئے مذہب نے جنم لیا جسے بُدھ مت کہتے ہیں۔ اس کا بانی گوتم بُدھ تھا جو نیپال کی ایک ریاست کے راجا کا بیٹا تھا۔ گوتم بُدھ کا اصلی نام سدھارتھ تھا۔ جب اس نے برہمنوں کو ظلم وستم ڈھاتے دیکھا تو وہ پریشان ہو گیا اور سوچنے لگا کہ لوگوں کو ان کے مظالم سے کس طرح نجات دلائی جا سکتی ہے۔

ایک رات گوتم بُدھ چُپ چاپ گھر سے نکل گیا۔ مدّت تک جنگلوں میں پھرتا رہا۔ کافی سوچ بچار کے بعد اس نے ایسے اصُول وضع کیے جن پر عمل کرتے ہُوئے لوگوں کے دُکھ دُور ہو سکتے تھے۔ ان اصُولوں کی بنیاد مساوات، ہمدردی، عدل، نیکی اور سادگی پر تھی۔ اس مذہب میں ذات پات کی تفریق نہ تھی اور سب انسانوں کو ایک جیسا خیال کیا جاتا تھا۔ گوتم بُدھ نے لوگوں کو اُن کی زبان میں ان اصُولوں کی تعلیم دی، اس لیے یہ مذہب بہت جلد عوام میں مقبُول ہو گیا۔ یہ مذہب بہت جلد برِصغیر کے علاوہ افغانستان، برما، چین، جاپان اور تبّت کے علاقوں میں پھیل گیا۔

کچھ مدّت کے بعد برہمنوں نے تدبیر سے کام لیا اور بُدھ مت کے بنیادی اصولوں کو لوگوں کے سامنے توڑ مروڑ کر پیش کرنا شروع کیا اور گوتم بُدھ کی مُورتی پُوجا کو رواج دیا جس کے باعث بُدھ مت اپنی مقبولیت کھو بیٹھا۔ اس سے ہندو مذہب کو ایک بار پھر فروغ حاصل ہُوا اور بُدھ مذہب کو آہستہ آہستہ زوال آگیا

مشق

مختصر جوابات دیجیے -

(ا) 1- قدیم زمانے کے آثار پاکستان کے کن علاقوں میں ملے ہیں ؟ ان کھنڈرات سے کون کون سی قابلِ ذکر اشیا برآمد ہوئی ہیں ؟

2- موئن جودڑو کی کھدائی پر جو شہر نکلا ہے ، اس کی تعمیر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟

3- موئن جودڑو سے جو کھلونے نکلے ہیں کیا آپ ان سے کھیلنا پسند کریں گے ؟ کیا اس قسم کے کھلونے اب بھی بنائے جاتے ہیں ؟

4- ہڑپا کے قدیم شہر میں گندے پانی کے نکاس کے انتظام کا اپنے علاقے کے انتظام سے مقابلہ کریں ؟

5- موئن جودڑو اور ہڑپا میں کون کون سی ایسی اشیا برآمد ہوئی ہیں جو ایک دُوسرے سے ملتی جُلتی ہیں ؟ آپ ان سے دونوں شہروں کے بارے میں کیا اندازہ لگا سکتے ہیں ؟

6- آریا لوگوں کا اصل وطن کون سا علاقہ تھا ۔ اُنھوں نے اپنے وطن کو کیوں چھوڑا ؟

7- ہندوؤں میں ذات پات کا رواج کیوں شروع ہُوا ؟ ابتدا میں ہندوؤں کی کون کون سی ذاتیں تھیں ؟

8- بدھ مت اس وقت کے عوام میں کیوں مقبول ہُوا ؟

(ب) مندرجہ ذیل بیانات میں سے صحیح بیان کے گرد دائرہ ○ لگائیں ؟ موئن جودڑو کے رہنے والے کھیتی باڑی کرتے تھے کیونکہ

(i) کھلونوں میں ایک ایسا بیل ہے جس کی دُم ہلانے سے اس کا سر ہلتا ہے ۔

(ii) لوگ کپڑے پہنتے تھے ۔

(iii) گندم کے دانے ملے ہیں ۔

(iv) مٹی کے بڑے بڑے مٹکے ملے ہیں ۔

(ج) خالی جگھوں کو پُر کریں ۔

1- آریا .... پیتے تھے اور .... کے بے حد شوقین تھے ۔

2- شُودر اگر مذہبی کتاب کا لفظ سُن لیتا تو اُس کے .... ڈال دیا جاتا

3- ہندُو .... گھروں میں رہتے تھے ۔

4- بدھ مذہب میں .... کا رواج نہیں تھا ۔

5- برہمنوں نے بدھ مت کو بہت .... پہنچایا ۔

برِصغیر میں مسلمانوں کی آمد

عرب کے تاجر، اسلام لانے سے پہلے بھی تجارت کی غرض سے برِصغیر کے ساحل پر آتے تھے اور یہاں کی قیمتی پیداوار دُوسرے ممالک میں پہنچاتے تھے۔ یہ تاجر، اسلام لانے کے بعد سامانِ تجارت کی خرید و فروخت کے علاوہ اسلام کا پیغام بھی پہنچانے لگے۔ ان تاجروں نے برِصغیر کے مغربی ساحل پر مستقل ٹھکانے بنا رکھے تھے اور ان کے تعلقات مقامی باشندوں سے نہایت خُوشگوار تھے۔

یہ زمانہ مُسلمانوں کی فتوحات کا زمانہ تھا۔ مُسلمان افریقہ اور یورپ میں کافی فتوحات حاصل کر چکے تھے۔ مشرق میں برِصغیر پاک و ہند ان کی نظروں سے اوجھل نہ تھا۔ یہاں برہمنوں کے ظلم و ستم کی داستانیں ان تک پہنچ چکی تھیں۔ پس مسلمان چاہتے تھے کہ برِصغیر کے ستم زدہ لوگوں کی مدد کی جائے۔

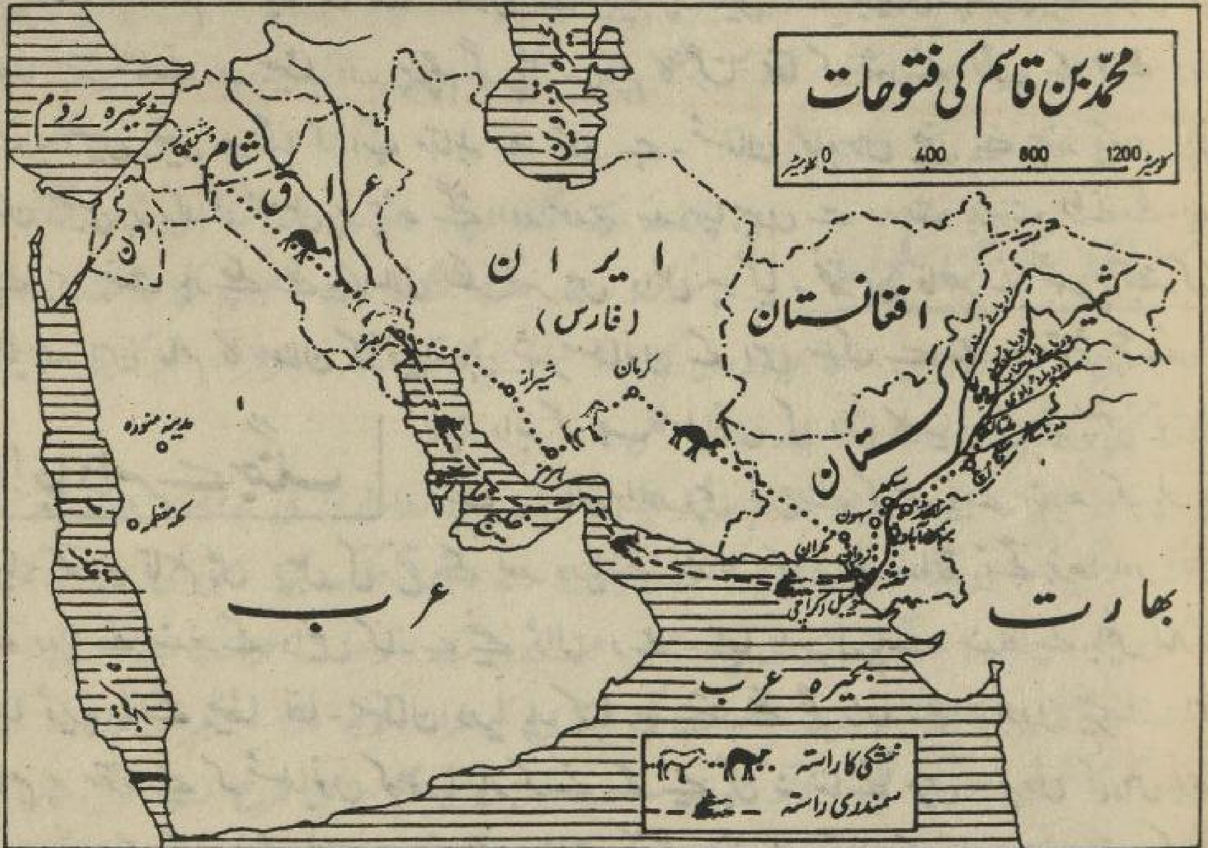
محمّد بن قاسم سِندھ میں

عرب تاجروں میں سے چند ایک نے لنکا میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ عبدالملک کے زمانے میں لنکا میں چند تاجروں نے وفات پائی تو وہاں کے راجا نے اُن کے بیوی بچّوں، مال و اسباب اور تحفے تحائف ایک جہاز میں خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیے۔ اسی جہاز میں کچھ اور مُسلمان بھی حج کے لیے جا رہے تھے۔ جب یہ جہاز سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل پہنچا تو سندھ کے بحری ڈاکوؤں نے مسلمان مسافروں کا تمام مال و اسباب لُوٹ لیا۔ عورتوں اور بچّوں کو قیدی بنا لیا۔ ان میں سے چند مسافر بچ نکلے جنھوں نے حجاج بن یُوسف، حاکمِ بصرہ کے پاس فریاد کی۔ یہ خبر سُن کر حجّاج کے غم و غُصّہ کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ پہلے بھی سندھ کا راجا داہر اکثر مسلم حکومت کے باغیوں کو پناہ دیتا رہتا تھا۔ اس پر حجّاج نے سندھ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دیبل کی فتح

حجاج نے راجا داہر کو خط لکھا اور مُطالبہ کیا کہ وہ مال و اسباب واپس کر دے، قیدیوں کو آزاد کرا کے بصرہ بھیج دے، لیکن راجا داہر نے

بہانہ کیا کہ بحری ڈاکوؤں سے قیدی اور مال و اسباب واپس لینا اس کے بس میں نہیں۔ اس پر حجاج نے اپنے بھتیجے محمّد بن قاسم کو بارہ ہزار فوج اور تین ہزار اُونٹ دے کر سندھ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس وقت محمّد بن قاسم کی عمر صرف سترہ برس تھی۔ اس زمانے میں قلعہ کی فصیل



توڑنے کے لیے ایک مشین استعمال کی جاتی تھی جسے 'منجنیق' کہتے تھے۔ اس کے ذریعے بھاری پتھر دُور تک پھینکے جا سکتے تھے۔ ایسی منجنیقیں بھی مُسلم فوج کے ہمراہ تھیں۔ اُن کے پاس ایسے تیر بھی تھے، جو جہاں گرتے آگ لگا دیتے تھے۔ حجّاج نے ڈاک کا بھی اچھا انتظام کیا۔ سات دن کے اندر خط بصرے پہنچ جاتا۔ یہ تمام انتظامات حجّاج نے اپنی ذاتی نگرانی میں کرائے تاکہ حملے کے وقت کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔

محمّد بن قاسم **712**ء کے موسم بہار میں دیبل پہنچا۔ دیبل سرحدی اور ساحلی شہر تھا۔ اس کے چاروں طرف فصیل تھی اور فصیل کے باہر ایک چوڑی اور گہری خندق تھی جو ہر وقت پانی سے لبالب بھری رہتی تھی۔ شہر کے لوگوں نے خوراک کا کافی ذخیرہ جمع کر لیا اور فصیل کے دروازے بند کر دیے۔ محمّد بن قاسم نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں سے فصیل پر پتھر برسائے مگر اہلِ

شہر کے حوصلے بلند رہے۔ شہر کے وسط میں دیبل کا مندر واقع تھا اس کی عمارت نہایت ہی مضبوط تھی۔ اس کی بلند سنہری کلس پر ایک بہت بڑا پرچم لہراتا رہتا تھا۔ ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ جب تک جھنڈا لہرا رہا ہے کوئی طاقت ان پر غالب نہیں آسکتی۔ مسلمانوں کو ان کے اس عقیدہ کا علم ہو چکا تھا لہٰذا انھوں نے پرچم پر منجنیق سے بھاری پتھر پھینکنا شروع کیے۔ ایک پتھر نشانے پر بیٹھا اور پرچم گر پڑا۔ پرچم کا گرنا تھا کہ شہر کے لوگوں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ اب مقابلہ بے سُود ہے۔ مسلمان مجاہدوں میں سے چند ایک اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر فصیل پر چڑھ گئے اور مورچہ بند سپاہیوں سے دست بدست لڑنے لگے۔ ہندو پہلے ہی ہمت ہار چکے تھے۔ اسلامی لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ محمّد بن قاسم نے شہر پر قبضہ کرنے کے بعد امن عام کا اعلان کر دیا۔ اہلِ شہر مسلمانوں کے اس سلوک سے بے حد متاثر ہوئے۔

راجا داہر سے جنگ

راجا داہر کو جب مسلمانوں کی اس کامیابی کی خبر پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوا اور اپنی فوج لے کر دریائے سندھ کے پار چلا گیا۔ محمّد بن قاسم بھی دیبل کی فتح کے بعد دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا اور اس نے دریائے سندھ کے دائیں کنارے خیمے ڈال دیے۔ راجا داہر دریائے سندھ کے بائیں کنارے اپنا ڈیرہ ڈالے بیٹھا تھا۔ مسلمان دریا پار کرنا چاہتے تھے مگر راجا نے ہزاروں تیرانداز اس کام پر مقرر کیے کہ مُسلمانوں کو دریا پار کرنے کے لیے پُل نہ بنانے دیں۔ تیروں کی اس بوچھاڑ کی پروا نہ کرتے ہوئے مجاہدوں نے ایک رات کشتیوں کی لمبی قطار کو آپس میں باندھ کر پُل تیار کر لیا اور مناسب موقع پا کر دریا پار کر گئے۔ مُسلمان مجاہدین اچانک دشمن کے سر پر پہنچ گئے اور ایک زوردار حملہ کیا۔ راجا داہر خود بھی ہاتھی پر سوار مقابلے پر آیا۔ جنگ زوروں پر تھی کہ ایک تیر انداز نے تاک کر تیر مارا۔ راجا کے ہاتھی کے ہودے میں آگ لگ گئی جس سے سارے ہاتھی گھبرا کر پلٹے اور اپنے ہی لشکر کو روندتے ہوئے دُور نکل گئے۔ راجا داہر لڑتا ہوا مجاہدوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

مُلتان کی فتح

محمّد بن قاسم چند شہروں کو فتح کرتا ہوا ملتان تک پہنچ گیا یہ شہر بھی راجا داہر کی سلطنت میں شامل تھا۔ فوجی لحاظ سے اس شہر کی بڑی اہمیت تھی۔ ملتان کے گورنر کو مُسلمانوں کے حملے کی پہلے ہی سے توقع تھی، اس لیے وہ برابر تیاریوں میں مصروف تھا۔ مُسلمان جب دریائے چناب کے مغربی کنارے پر پہنچے

تو ملتان کا گورنر گور سنگھ بہت بڑی فوج کے ہمراہ موجود تھا۔ شدید رکاوٹوں کے باوجود مجاہد دریا پار کر گئے اور جنگ شروع ہو گئی۔ جب مقابلے کی طاقت نہ رہی تو ملتان کے گورنر نے فوج کو قلعہ بند ہونے کا حکم دیا۔ اب مسلم لشکر کافی دن محاصرہ کیے بیٹھا رہا۔ آخرکار اُنھوں نے فیصلہ کن حملے کا ارادہ کیا اور فصیل پر منجنیقوں سے پتھر برسانا شروع کیے۔ مسلمان شہر میں داخل ہوا ہی چاہتے تھے کہ دشمن خود بخود مقابلے پر آگیا۔ زبردست جنگ کے بعد اسلامی فوج نے فتح حاصل کی۔

مسلمانوں کا حسنِ سلوک

سندھ کے لوگ اپنے راجاؤں اور حاکموں کے ظالمانہ سلوک سے بہت تنگ تھے۔ عوام کی حالت بہت خراب تھی۔ امیر، غریبوں سے جانوروں کا سا سلوک کرتے تھے۔ ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ رعایا انصاف کے لیے ترستی تھی۔

ان حالات میں محمد بن قاسم اپنے نیک سلوک اور رواداری کی بدولت رعایا میں بہت مقبول ہو گیا۔ اُس نے بُدھ راہبوں اور برہمنوں سے اچھا سلوک کیا۔ ان کی عبادت گاہوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا، بلکہ اُن کے بعض مندروں کے اخراجات خزانے سے ادا کیے گئے۔ بہت سے ٹیکس معاف کر دیے۔ کسانوں کی بہتری کی طرف توجہ دی۔ بنجر زمینوں کو آباد کرنے کی کوشش ہونے لگی۔ غلّہ کثرت سے پیدا ہونے لگا۔ اس طرح رعایا خوش حال ہو گئی۔ رعایا، مسلمانوں کے اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر محمد بن قاسم کو نجات دہندہ سمجھنے لگی۔

سندھ پر اسلامی تہذیب کے اثرات

محمد بن قاسم بہت تھوڑا عرصہ سندھ میں رہا لیکن اس کے اثرات دیرپا ثابت ہوئے۔ مسلمانوں نے سندھ کے باشندوں سے بہت پیار و محبت کا برتاؤ کیا۔ ہندوؤں کو اپنے منصب پر قائم رہنے کی پوری آزادی تھی۔ جو ہندو اپنی خوشی سے مسلمان ہو جاتے اُن کا جزیہ معاف کر دیا جاتا۔ ہندوؤں کی زمینیں اور جائدادیں اُن کے قبضے میں ہی رہیں۔ مساوات اور عدل و انصاف حکومت کی اہم خصوصیات تھیں۔ یہاں کے لوگ مسلمانوں کی فوج میں بھرتی ہونے لگے اور مختلف سرکاری محکموں میں بڑے ذوق و شوق سے کام کرنے لگے۔ سندھ کے لوگ حساب کتاب میں بڑے ماہر تھے۔ بعد میں اکثر بصرے کی منڈیوں میں منشی کے طور پر کام کرنے لگے۔ اُن کے رہن سہن میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئیں اور

وہ مسلمانوں کے طور طریقے اختیار کرنے لگے۔

عرب جغرافیہ دانوں اور سیاحوں نے سندھ کے جغرافیائی حالات لکھے، مسلمانوں کی علم دوستی سے سندھ کے لوگوں میں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ مسلمانوں کی رواداری اور حسنِ سلوک سے اسلام تیزی سے پھیلنا شروع ہوا۔ بعد کے دور میں سندھ میں کئی عالم اور شاعر پیدا ہوئے۔ انھوں نے عربی زبان میں بھی مہارت حاصل کی۔ عربی زبان کے بہت سے الفاظ سندھی زبان میں داخل ہو گئے۔

مشق

مختصر جوابات دیجیے:-

(ا) 1 — مسلمان برِصغیر کے لوگوں کی کیوں مدد کرنا چاہتے تھے؟

2 — محمّد بن قاسم کو سندھ میں کیوں بھیجا گیا؟

3 — محمّد بن قاسم کی راجا داہر کے ساتھ جنگ کا حال لکھیں؟

4 — محمّد بن قاسم نے سندھ کے لوگوں سے کیسا سلوک کیا؟

5 — محمّد بن قاسم کی فتح ملتان کا حال لکھیے۔

6 — ہندو بصرے کی منڈیوں میں جا کر کیا کام کرنے لگے؟

(ب) صحیح بیانات پر نشان لگائیں۔

1 — برِصغیر میں رہنے والے، مسلمانوں کی آمد سے پہلے، برہمنوں کے ظلم وستم سے تنگ آ چکے تھے۔

2 — راجا داہر نے بحری ڈاکوؤں کو سزا دی۔

3 — راجا داہر دیبل کی لڑائی میں مارا گیا۔

4 — سندھ کے عوام محمّد بن قاسم کو بہت پسند کرتے تھے۔

5 — محمّد بن قاسم بہت تھوڑا عرصہ سندھ میں رہا۔

6 — اگر محمّد بن قاسم زیادہ عرصہ برِصغیر میں قیام کرتا تو سارا برِصغیر فتح ہو جاتا۔

7 — ہندو بڑی خوشی سے بصرہ جاتے اور کام کرتے۔

(ج) **عملی کام** نقشہ کشی کی کاپی پر برِاعظم ایشیا کا خاکہ بنائیں۔ اس میں محمّد بن قاسم کی آمد کا راستہ دکھائیں۔

سلاطینِ دہلی کے دور میں

مسلمانوں کی تہذیب

اسلام پہلے پہل برِصغیر میں عرب تاجروں کی کوششوں کی بدولت پھیلا۔ 712ء میں محمد بن قاسم نے سندھ فتح کرکے مسلم حکومت کی بنیاد رکھی۔ محمد بن قاسم تو چند سال سندھ میں رہا مگر سندھ کا تعلق دربارِ خلافت سے قریباً ڈیڑھ سو سال تک قائم رہا۔ اس کے بعد بھی مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں مسلم تہذیب کا گہوارا بنتی رہیں اور بزرگانِ دینؒ کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس طرح محمود غزنوی کی برِصغیر میں آمد تک سندھ میں اسلام کی شمع روشن رہی۔

سلطان محمود غزنوی 998ء میں غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ غزنی ہمارے ہمسایہ ملک افغانستان میں واقع ہے۔ محمود ایک بہادر اور پکا مسلمان تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح برِصغیر میں اسلام کا جھنڈا بلند کرے۔ اس کی یہ خواہش پوری ہوئی اور وہ تاریخ میں 'بت شکن' مشہور ہوا۔ اس مقصد کے لیے اس نے شمالی برِصغیر پر سترہ حملے کیے۔ ان میں سب سے مشہور سومنات کی فتح تھی۔

محمود غزنوی خدا ترس اور دین دار شخص تھا۔ اسلام کو پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ اس نے کئی عالی شان مسجدیں، مدرسے، کتب خانے اور دارالعلوم قائم کیے۔ خلافِ شرع حرکتیں کرنے والوں کو سخت سزائیں دیتا۔ محمود غزنوی کی علم دوستی کی وجہ سے غزنی کا شہر علم و فضل کا مرکز بن گیا۔ لوگ دور دور سے علم حاصل کرنے کی غرض سے غزنی آتے تھے۔

غزنی خاندان نے ڈیڑھ سو سال تک حکومت کی۔ ان کے زوال پر غوری خاندان برسرِ اقتدار آیا۔ غور ہرات اور غزنی (افغانستان) کے درمیان ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ شہاب الدین غوری اس خاندان کا عظیم بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے برِصغیر کی بہت سی راجپوت ریاستوں پر حملے کیے۔

اور ہندوؤں کو شکست دے کر مضبوط سلطنت کی بنیاد رکھی۔

سلطان غوری اپنی رعایا کا بہت خیال رکھتا تھا۔ عالموں کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس کے عہد میں امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر کے عنوان سے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ سلطان نے اجمیر اور دہلی میں مدرسے قائم کیے۔

شہاب الدین غوری بڑا بہادر تھا۔ تراوڑی کی دوسری جنگ میں اس نے راجپوتوں کو زبردست شکست دی جس سے دہلی اور اجمیر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ شہاب الدین غوری نے انتظام سلطنت کی بنیاد عدل و انصاف اور مذہبی رواداری پر رکھی۔ غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ اس کے نزدیک قانون کی نظر میں امیر غریب سب برابر تھے۔ غزنی کا شہر غوریوں کے عہد میں بھی بہت مشہور ہوا۔ 1206ء میں گکھڑ قوم نے بغاوت کا علم بلند کیا تو شہاب الدین محمد غوری نے ان پر حملہ کر کے ان کو واپس بھیج دیا مگر واپس جاتے وقت گکھڑوں کے چند آدمیوں نے اس کے خیمہ میں داخل ہو کر اُسے سوتے میں قتل کر دیا۔

سلاطینِ دہلی

قطب الدین ایبک، سلطان محمد غوری کا غلام تھا۔ اسی لیے قطب الدین ایبک نے جس خاندان کی بنیاد رکھی، اُسے 'خاندانِ غلاماں' کہتے ہیں۔ شہاب الدین غوری نے دہلی، میرٹھ اور قنوج تک کا علاقہ فتح کر کے قطب الدین ایبک کو اس کا گورنر بنایا۔ قطب الدین ایبک نے برِصغیر میں محمد غوری کی وفات کے بعد مضبوط سلطنت قائم کی۔ اس کے زمانے میں دارالحکومت دہلی شہر بنا، اسی لیے ان سلاطین کو عام طور پر سلاطینِ دہلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ برِصغیر پر خاندانِ غلاماں نے قریباً سو سال تک حکومت کی۔ التمش اور بلبن کے عہد میں بنگال تک کا علاقہ مسلم حکومت میں شامل تھا۔

خاندانِ غلاماں کے بعد خلجی حکمران بنے۔ خلجی بادشاہوں میں علاؤ الدین خلجی بڑا بلند حوصلہ حکمران تھا۔ اس کے انتقال کے وقت سارا برِصغیر سلطنتِ دہلی میں شامل ہو چکا تھا۔ 1320ء میں حکومت، خاندانِ تغلق کے ہاتھ آئی۔ اس خاندان کا ایک بادشاہ محمد تغلق بہت بڑا عالم اور غیر متعصب حکمران تھا۔ اسے ترقیاتی منصوبوں اور عوام کی بہتری کی نئی نئی تدابیر پر عمل کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس کا جانشین فیروز شاہ تغلق رفاہِ عامہ کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتا تھا۔

تغلق خاندان کے بعد حکومت 'خاندانِ سادات' کے ہاتھ آئی - ان کے جانشین افغان تھے جنھوں نے لودھی خاندان کی حکومت قائم کی - ابراہیم لودھی کے دور میں 1526ء میں بابر نے پانی پت کے میدان میں افغانوں کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کیا اور مغلیہ خاندان کی بنیاد رکھی - اس خاندان نے برِصغیر پر قریباً تین سو سال حکومت کی -

آئیے اب ہم سلاطین کے دور میں مسلم تہذیب کی ترقی کا حال پڑھتے ہیں -

انتظامِ سلطنت

غزنوی اور غوری بادشاہوں نے دہلی، میرٹھ اور قنوج تک کے علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے - قطب الدین ایبک نے محمد غوری کی وفات کے بعد برِصغیر میں مضبوط مسلم سلطنت کی بنیاد رکھی - برِصغیر میں دہلی، مسلم حکومت کا صدر مقام تھا - بلبن کے عہد میں بنگال بھی مسلم حکومت میں شامل ہو گیا تھا - علاؤالدین خلجی نے منگولوں کو روکنے کے لیے سرحدی مقامات پر چوکیاں بنوائیں تاکہ بیرونی حملہ آوروں کا کامیابی سے مقابلہ کیا جا سکے - ملک میں امن و امان قائم تھا - عوام بڑے اطمینان سے زندگی گزارتے تھے -

بادشاہ، امرا اور علما کی قدر کرتا تھا - بادشاہ حکومت کے اہم کاموں میں وزیروں اور امیروں سے مشورے کرتا - مذہبی معاملات میں عالموں سے رائے لیتا - بادشاہ ملک کے کونے کونے سے باخبر رہتے تھے - ہر محکمے کی خود نگرانی کرتے تھے - وہ نام کے بادشاہ نہ تھے بلکہ نظم و نسق کا پورا کام اُن کے ہاتھ میں ہوتا تھا - صوبائی حکام اور فوجی افسروں کی کڑی نگرانی کی جاتی - باقاعدہ فوج رکھی جاتی اور اُن کی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا - بادشاہ خود جنگ میں شریک ہوتے - حکومت کا انتظام چلانے کے لیے مختلف محکمے قائم کیے جاتے - ہر محکمے کا بڑا افسر اپنے محکمے کے نظم و نسق کا ذمّہ دار ہوتا - عدالتیں خود مختار تھیں - قاضی انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے تھے -

عدل و انصاف

دہلی کے بادشاہوں نے اپنی حکومت میں عدل و انصاف کو بہت اہمیّت دی - عدالتوں میں قاضی خود مختار تھے - فیصلے قرآن و سنّت کی روشنی میں ہوتے - قانون کی نگاہ میں بادشاہ اور عام آدمی برابر تھے - اگر بادشاہ کے خلاف بھی کوئی شکایت کرتا تو عدالت اس کو ملزم کی حیثیت سے دربار میں بلا سکتی تھی - محمد تغلق خود ایک دفعہ ایک مقدمے کے سلسلے میں قاضی کے سامنے پیش ہوا اور اس سے بالکل عام آدمیوں

کی طرح سلوک کیا گیا۔

سلطان التمش نے حکم دے رکھا تھا کہ فریادی سُرخ لباس پہنیں تاکہ بادشاہ اُن کو آسانی سے خُود ہی پہچان لے۔ بلبن کا عہد بھی عدل و انصاف کے لیے خاصا مشہور ہے۔

غیرملکی سیاحوں نے سلاطینِ دہلی کے عدل و انصاف کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہاں کے قاضی، انصاف کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ فیصلے بہت جلد کرتے ہیں اور امیر، غریب سب سے ایک جیسا سلوک روا رکھتے ہیں۔

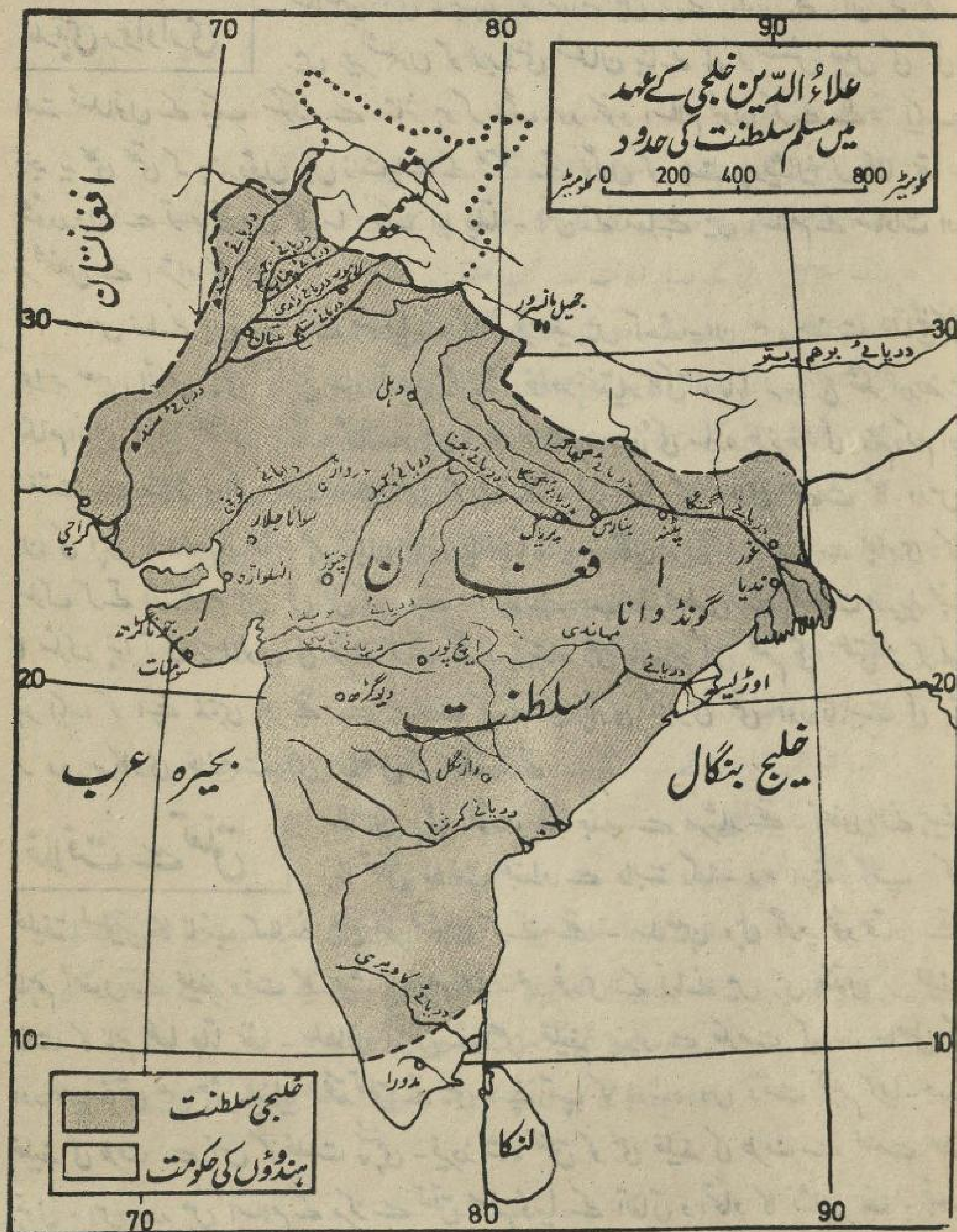
رفاہِ عامہ

محمُود غزنوی اور محمد غوری خُود بُہت بڑے عالم تھے۔ اُنھوں نے فتوحات کے ساتھ ساتھ علم پھیلانے کی طرف بھی بُہت توجہ دی۔ اُنھوں نے بہت سے مدرسے، مسجدیں اور کُتب خانے تعمیر کرائے۔ غزنی اس زمانے کا بہت بڑا تعلیمی مرکز تھا۔ قطب الّدین ایبک کو 'لکھ بخش' کہتے ہیں۔ اس کی سخاوت دُور دُور تک مشہور تھی۔

علاؤالّدین خلجی کے عہد میں رعایا کی بہتری کا بُہت خیال رکھا جاتا تھا۔ اس نے شراب نوشی اور جوئے بازی کو بند کروایا۔ ستی کی رسم پر پابندی لگا دی۔ عوام کو ضرُوریاتِ زندگی سستے داموں حاصل تھیں۔ علاؤالّدین خلجی کے زمانہ میں چیزوں کی قیمتوں پر کنٹرول نافذ کیا گیا۔ ہر چیز کی قیمت مقرر کی گئی۔ کوئی دکاندار مقررہ قیمت سے زیادہ پیسے وصُول نہ کرسکتا تھا۔

محمّد تغلق نے کئی ترقیاتی منصوبے بنائے۔ فیروز شاہ تغلق نے بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنے کا بندوبست کر رکھا تھا۔ بیواؤں اور یتیموں کی رہائش و خوراک کا حکومت کی طرف سے مناسب انتظام تھا۔ شیرشاہ سُوری نے سینکڑوں سرائیں تعمیر کروائیں، جہاں مسافروں کو کھانا مفت ملتا تھا۔ اس کے علاوہ ہسپتال، پُل اور سڑکیں بھی تعمیر کروائیں۔ اس نے کئی ٹیکس معاف کر دیے اور مسجدوں کی تعمیر پر بُہت سا روپیہ خرچ کیا۔ بادشاہوں کے دسترخوان پر سینکڑوں ضرورت مند کھانا کھاتے۔ غریب اور یتیم بچوں کی شادی کا انتظام شاہی خزانے سے کیا جاتا۔ تعلیم و تربیت کے لیے بہت سی جائدادیں وقف تھیں، علما، اساتذہ اور طلبہ کے وظیفے مقرر تھے۔ تہواروں کے موقع پر بادشاہ لاکھوں روپے غریبوں میں تقسیم کرتے۔ کسانوں کو آسان شرطوں پر قرضے دیے جاتے۔ لگان کی شرح بھی بڑی مناسب تھی۔

قطب الّدین ایبک نے دہلی کے نزدیک ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی اور ایک مینار بھی



علاءُ الدّین خلجی کے عہد
میں مسلم سلطنت کی حدود
کلومیٹر 800 400 200 0 کلومیٹر
70
80
90
30
20
10
افغانستان
کشمیر
جھیل مانسرور
دریائے برہم پتر
ملتان
دہلی
کراچی
افغان
سلطنت
گونڈوانا
بنارس
پٹنہ
ندیا
مہاندی
اوڑیسہ
ایلچ پور
دیوگڑھ
ورنگل
دریائے کرشنا
دریائے کاویری
سومنات
مدورا
لنکا
بحیرہ عرب
خلیج بنگال
خلجی سلطنت
ہندوؤں کی حکومت

بنوایا جسے 'قطب مینار' کہتے ہیں - اس کی بلندی تقریباً 90 میٹر ہے - اس پر خوبصورت نقاشی کی گئی ہے - دہلی میں علاؤالدین نے 'علائی دروازہ' تعمیر کروایا جو مُسلم تہذیب کی بڑی اعلیٰ یادگار ہے۔

مذہبی رواداری

سلاطینِ دہلی مذہب کے معاملے میں بڑے روادار تھے - ان کے عہد میں غیر مُسلموں کو زبردستی مُسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ البتہ مُسلمانوں کے نیک سلوک سے متاثر ہو کر لوگ خود بخود اسلام قبول کرنے لگے۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوؤں میں ذات پات کے مسٔلے نے لوگوں کو بہت پریشان کر رکھا تھا - شودروں سے تو جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا - اس کے مقابلے میں اسلام نے مساوات اور ہر شخص کے احترام کا سبق دیا -

اس زمانے میں بہت سے صوفیائے کرامؒ برِصغیر میں آئے - ان میں حضرت داتا گنج بخشؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، شیخ بہاؤالدین زکریاؒ - خواجہ بختیار کاکیؒ، بابا فرید گنج شکرؒ اور حضرت نظام الدین اولیاؒ مشہور بزرگ گزرے ہیں - ان بزرگانِ دینؒ کی سادہ طرزِ زندگی، رحم و کرم اور شفقت سے متاثر ہو کر ہندو اسلام قبول کرنے لگے - غیر مسلموں کو اسلامی تعلیمات کا درس ان کی اپنی سادہ اور عام فہم زبان میں دیا جاتا - یہ بزرگانِ دینؒ ہر ایک سے برابری کا سلوک کرتے اور عوام میں مل جل کر رہتے، اس لیے جب غیر مسلموں سے شفقت اور پیار محبّت کا سلوک ہُوا تو وہ مسلمانوں کی عزّت کرنے لگے - بادشاہ بھی ان پر کسی قسم کی سختی نہ کرتے۔ ہر ایک کو اپنے مذہبی طریقے سے عبادت کرنے کی پوری آزادی تھی اور قابلیت کی بنا پر وہ سرکاری ملازمت بھی حاصل کر سکتے تھے -

خلافت سے تعلق

سلاطینِ دہلی اخوّت کے جذبہ سے سرشار تھے - اُنھوں نے ہمیشہ اپنا تعلق خلافتِ بغداد سے وابستہ رکھا - وہ اپنے آپ کو خلیفۃ المسلمین کا نائب کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے - سلاطینِ دہلی اگرچہ خود مختار تھے تاہم اُنھوں نے خلیفۂ وقت کا ہمیشہ احترام کیا - محمد غوری کے زمانے میں بھی سکّوں پر خلیفۂ وقت کا نام لکھا جاتا تھا - سلطان التتمش نے بھی خلیفۂ بغداد سے حکومت کی سند حاصل کی اور اس خوشی میں جشن منایا - محمّد تغلق نے بھی اپنے آپ کو بادشاہ اس وقت تسلیم کرایا - جب خلیفہ کی طرف سے اُس کو خلعت پہنچی - فیروز شاہ تغلق کو بھی خلیفہ کی طرف سے خلعت عطا ہُوئی - اس دور میں اسلام کے مرکز سے تعلق مسلم دُنیا کے اتفاق و اتحاد کا نشان تھا - جُمعہ

اور عیدین کی نمازوں میں خلیفہ کا نام خطبوں میں پڑھا جاتا اور خلیفۂ وقت کی خدمت میں تحفے تحائف بھیجے جاتے۔

مشق

مختصر جوابات لکھیے۔

(ا) 1۔ بّرصغیر پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کی بنیاد کس بادشاہ نے رکھی؟

2۔ سلاطینِ دہلی کے دَور میں رفاہ عامہ کے بہت سے کام ہُوئے، چند کاموں کی تفصیل بتائیے۔

3۔ سلاطینِ دہلی کے دربارِ خلافت سے کیسے تعلقات تھے؟

4۔ سلاطینِ دہلی عدل و انصاف کے تقاضے کس طرح پُورے کرتے تھے؟

5۔ سلاطینِ دہلی کے دَور کی دو اہم عمارتوں کے نام لکھیے؟

6۔ سلاطینِ دہلی کی مذہبی رواداری سے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

7۔ جس خاندان کی قطب الدین ایبک نے بُنیاد رکھی، اسے ’خاندان غلاماں‘ کیوں کہتے ہیں؟

(ب) نیچے دیے ہُوئے الفاظ میں سے مناسب الفاظ چُن کر خالی جگہوں کو پُر کریں۔

1۔ سندھ کا تعلق دربارِ خلافت سے قریباً .... رہا۔

2۔ سلاطین دہلی کی ہمیشہ کوشش رہی کہ دربارِ خلافت سے .... قائم رہیں۔

3۔ ایک دفعہ .... خوُد قاضی کے سامنے پیش ہُوا۔

4۔ غیر ملکی سیاحوں نے .... کے عدل و انصاف کی بہت تعریف کی ہے۔

5۔ علاؤالدّین خلجی نے .... تعمیر کروایا۔

6۔ قطب الدّین ایبک نے .... تعمیر کروایا۔

(الفاظ :۔ علائی دروازہ قطب مینار، سلاطین دہلی، محمد تغلق، ڈیڑھ سو سال، اچھے تعلقات۔)

(ج) **عملی کام** 1۔ بّرصغیر کا خاکہ اپنی نقشہ کشی کی کاپی پر بنائیے اور اس میں علاؤالدّین خلجی کے عہد میں مسلم حکوُمت کی سرحدیں دکھائیے۔

2۔ ان فلاحی کاموں کی فہرست بنائیے جو سلاطینِ دہلی کے عہد میں ہُوئے تھے۔

مغلیہ دور میں اسلامی تہذیب

ظہیرالدین بابر نے 1526ء میں پانی پت کے میدان میں افغانوں کے بادشاہ ابراہیم لودھی کو شکست دے کر مغلیہ خاندان کی بنیاد رکھی۔ بابر کو قریباً پانچ سال حکومت کرنے کی مہلت ملی۔ اس مختصر عرصے میں اُس نے امن و امان قائم کیا اور اصلاح و ترقی کی طرف بھی توجہ دی۔ مغل حکمرانوں نے برِصغیر پر قریباً تین سو سال حکومت کی۔ مغل بادشاہوں میں بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب بہت مشہور ہیں۔ اورنگ زیب کے بعد کوئی لائق بادشاہ تخت نشین نہ ہُوا اور سلطنت کمزور ہوتی گئی حتیٰ کہ انگریزوں نے آخری مغلیہ تاجدار بہادر شاہ ظفر کو قید کر کے رنگون بھیج دیا اور 1857ء میں مغلیہ سلطنت ختم ہو گئی۔

تہذیبی، معاشرتی اور علمی ترقی کی وجہ سے خاندان مغلیہ کا زمانہ برِصغیر میں مسلمانوں کا سنہری زمانہ کہلاتا ہے۔ مغلوں کے دور میں زندگی کے ہر شعبے میں بہت ترقی ہُوئی۔ مغل بادشاہوں نے زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی پر خاص توجہ دی۔ ضروریات زندگی سستے داموں دستیاب تھیں۔ ان کے عہد میں بہت سی شاندار عمارات بنائی گئیں۔ علوم و فنون اور موسیقی کو بھی بہت ترقی ہُوئی۔ مغل بادشاہ علمی دُنیا میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔

تعلیم

مغلوں کے عہد میں تعلیم کی طرف بہت توجہ دی گئی۔ بادشاہ خود عالم تھے۔ اس لیے علما اور اساتذہ کی بہت قدر کرتے تھے۔ بابر ترکی اور فارسی زبان کا ماہر تھا۔ ہمایوں ستاروں کے علم کا ماہر تھا، وہ سفر کے دوران میں اپنا کُتب خانہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اکبر کے دربار میں بڑے بڑے عالم اور شاعر جمع رہتے تھے۔ اکبر کے عہد میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ 'آئینِ اکبری' اس دَور کی اہم تاریخی کتاب ہے۔ جہانگیر نے خود بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اس نے رعایا کی تعلیمی ترقی پر بھی بہت روپیہ خرچ کیا۔ بابر اور جہانگیر نے اپنی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ ان کتابوں سے ہمیں اس زمانے کے حالات کا بھی پتا چلتا ہے۔ تعلیم کو عام کرنے کے لیے مغل بادشاہوں نے برِصغیر میں بے شمار مدرسے قائم کیے۔

شاہجہان، علما کا بڑا قدردان تھا۔ اس نے مشہور عالم عبدالحکیم سیالکوٹی کو دو مرتبہ چاندی میں

تلوایا اور انھیں یہ ساری رقم بطور انعام دے دی۔

اورنگ زیب کے زمانے میں تعلیم کو بڑی ترقی ہوئی۔ ہر شہر میں بشیتر اساتذہ کے لیے وظیفے مقرر تھے، تاکہ وہ سکون سے تعلیمی کام سرانجام دے سکیں۔ غریب اور ذہین طلبہ کو بھی وظیفے دیے جاتے۔ ہر رئیس اور امیر کے لیے اپنے محلّے کے بچّوں کے لیے سکول کھولنا ضروری تھا۔ بچے ابتدائی تعلیم ان مکتبوں میں حاصل کرتے اور پھر ثانوی مدرسوں میں داخل ہو جاتے تھے۔ جہاں انھیں حساب، جیومیٹری، زراعت، ستاروں کا علم، معاشیات، تاریخ اور فلسفہ کی تعلیم دی جاتی۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے کالج قائم کیے گئے۔

اورنگ زیب عالمگیر خود اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھتا تھا۔ 'فتاویٰ عالمگیری' اسلامی قانون کی بہت مشہور کتاب ہے جو اورنگ زیب کی نگرانی میں اس عہد کے عالموں نے لکھی۔

مغلیہ دَور میں عورتوں کی تعلیم پر بھی بہت توجّہ دی گئی۔ بہت سی خواتین نے تعلیمی کارنامے سرانجام دیے۔ ان میں بابر کی بیٹی گلبدن بیگم، ملکہ نور جہاں، ممتاز محل اور شاہجہان کی بیٹی جہاں آرا بیگم علم حاصل کرنے میں بہت دلچسپی لیتی تھیں۔ اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء علما اور فضلا کی بہت قدر کرتی تھی اور اس نے ملک میں تعلیم کو عام کرنے کے سلسلے میں بیش قدر خدمت سرانجام دی۔ مغل بادشاہ شاہی کتب خانوں کی بہت حفاظت کرتے تھے۔ تعلیم کی ترقی کے لیے بڑے بڑے اوقاف قائم تھے جن کی آمدنی پر لگان معاف تھا اور ان سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی تعلیم پر خرچ کی جاتی تھی۔

خطاطی

اس زمانے میں چھاپہ خانہ نہیں تھا، اس لیے کتابیں خوبصورت خط میں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔ مغل بادشاہوں نے فن خطاطی کی ترقی کے لیے بہت کام کیا اور اس دَور میں اس فن کو بہت عرُوج حاصل ہُوا۔ کئی بادشاہ اور امیر خُود بھی خطاطی کی مشق کرتے تھے۔ بابر کو خطاطی میں خود بھی بڑی مہارت حاصل تھی۔ اس نے ایک نیا خط ایجاد کیا جس کو 'خطِ بابری' کہتے ہیں۔ ہمایوں جب ایران سے واپس آیا تو وہاں سے دو مشہور مصوّروں کو اپنے ہمراہ لایا۔ یہ دونوں مصور، خطاطی کے بھی ماہر تھے۔ بادشاہ ان کی بہت عزّت کرتا اور اُنھیں انعام و اکرام دیتا رہتا تھا۔ جہانگیر نے ایک تصویر خانہ قائم کروایا اور بہت سی کتابیں اچھے اچھے خطاطوں سے لکھوا کر اس تصویر خانے میں رکھیں۔

شاہجہان نے اورنگ زیب کو خطاطی سکھانے کے لیے ایک ایرانی ماہر کی خدمات حاصل کیں۔ اورنگ زیب نے خطِ نستعلیق میں مہارت حاصل کی اور اپنے ہاتھ سے قرآنِ مجید کے کئی نسخے لکھے۔



مغل بادشاہوں کی اس دلچسپی کی وجہ سے اس زمانے میں بہت سے خُوش نویس پیدا ہُوئے۔ اُنھوں نے خطاطی کے کئی اعلیٰ نمونے تیار کیے۔ بادشاہوں کی دیکھا دیکھی امیر اور وزیر بھی اس فن کی سرپرستی کرنے لگے۔ مغلیہ عہد کی خطاطی کے نمُونے آج بھی لاہور کے عجائب گھر میں موجُود ہیں جو خُوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہیں۔

زراعت

برِصغیر کے لوگوں کا زیادہ تر پیشہ کھیتی باڑی رہا ہے۔ مغلیہ عہد میں زراعت کی ترقی پر بڑا زور دیا گیا۔ کاشتکاروں کو بہت سی سُہولتیں دی گئیں۔ زراعت کا ایک علاحدہ محکمہ قائم تھا جو کسانوں کی دِل کھول کر مدد کرتا۔ ضرُورت کے وقت ان کو قرضے دِیے جاتے۔ قحط کے زمانے میں اُن پر مالیہ وغیرہ معاف کر دیا جاتا۔ اکبر نے مالیہ وصُول کرنے کا خاص قانون بنایا۔ اس قانون کی رُو سے صرف فصل پیدا کرنے والی زمین

پر لگان وصُول کیا جاتا اور مالیہ وصُول کرنے والوں کو یہ خاص ہدایت تھی کہ کاشتکاروں پر کسی قسم کی سختی نہ کریں۔ مالیہ کی شرح بھی بہت مناسب تھی۔

شاہجہان نے زراعت کو ترقی دینے اور آمدنی کے وسائل بڑھانے کی طرف خصُوصی توجہ دی۔ اورنگ زیب نے پہلے بادشاہوں کے لگائے ہُوئے بُہت سے غیر شرعی محصُول معاف کر دیے۔

فنِ تعمیر

مُسلمانوں کے برِصغیر میں آنے سے پہلے لوگ تنگ و تاریک مکانوں میں رہتے تھے۔ عبادت گاہیں بھی ایسی بنائی جاتیں جن میں ہوا اور روشنی کا گزر نہ تھا۔ ایک تنگ و تاریک کمرے میں دیوی، دیوتا کا بُت رکھا ہوتا، لوگ ایک ایک کر کے اندر جاتے اور ان کی پُوجا کرتے۔

مُسلمانوں نے برِصغیر میں کھُلی اور ہوادار عمارتوں کو رواج دیا۔ ان عمارات کے بنانے میں پکی اینٹ اور چُونے کا استعمال کیا گیا۔ مغل بادشاہوں کی بنوائی ہُوئی بہت سی عمارات برِصغیر میں اب بھی موجُود ہیں۔ آپ نے لاہور کے مقبرہِ جہانگیر، شالامار باغ اور شاہی قلعے کی سیر تو کی ہوگی۔ یہ شاندار عمارات مغل بادشاہوں کی تعمیر کروائی ہُوئی ہیں۔ اورنگ زیب کی تعمیر کروائی ہُوئی بادشاہی مسجد، لاہور کا شمار دنیا کی بڑی مسجدوں میں ہوتا ہے۔ ہمایوں کا مقبرہ، روضہ تاج محل (آگرہ) دہلی کی جامع مسجد، لال قلعہ اور موتی مسجد مشہور عمارات ہیں، جو مغلوں کی شان و شوکت کا نشان ہیں۔ یہ عمارات سُرخ پتھر اور سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ہیں۔

اکبر کا بنایا ہُوا فتح پور سیکری کا دروازہ دنیا کا سب سے بلند دروازہ ہے۔ مُغلیہ عہد میں لاہور، ’باغوں کا شہر‘ تھا۔ باغوں کو سرو کے درختوں، فوّاروں اور بارہ دریوں سے سجایا جاتا تھا۔ مغل شہنشاہوں نے کئی مدرسے، خانقاہیں، سرائیں اور پُل بھی تعمیر کروائے۔ کئی بڑے بڑے شہر آباد کیے۔ ان میں بنگال (بنگلہ دیش) کا مشہور شہر ڈھاکہ، جہانگیر کے زمانہ میں آباد ہُوا۔ اس کا پہلا نام جہانگیر نگر تھا۔ دہلی کا موجُودہ شہر شاہجہان نے آباد کیا۔ سب سے زیادہ عمارات شاہ جہان نے تعمیر کروائیں، اس لیے شاہ جہاں کو ’انجینئر بادشاہ‘ بھی کہتے ہیں۔ اس نے ایک بہت ہی خُوبصورت تخت بنوایا جس پر قیمتی جواہر جڑے ہُوئے تھے۔ اس پر مور تراشے ہُوئے تھے، اسی لیے اُسے ’تختِ طاؤس‘ کہتے ہیں۔ تخت کے

مکمل ہونے میں کئی سال لگے اور اس پر بیش بہا دولت خرچ ہوئی۔

مشق

مختصر جوابات لکھیے۔

(ا) 1-خاندان مغلیہ کی بنیاد کس بادشاہ نے رکھی ؟ اس کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟

2-مغلیہ عہد کو برِصغیر میں مُسلمانوں کے دَورِ حکُومت کا سُنہری زمانہ کیوں کہتے ہیں ؟

3-اورنگ زیب نے اپنے عہدِ حکُومت میں تعلیمی ترقی کے سلسلے میں کیا کیا اقدام کیے ؟

4-خاندان مغلیہ کے دَور میں فنِ خطاطی کو کیونکر اتنا عرُوج حاصل ہُوا ؟

5-زراعت کی ترقی کے لیے مغل بادشاہوں نے کیا کیا طریقے استعمال کیے ؟

6-مغلیہ عہد کی چند مشہور عمارتوں کے نام لکھیں۔

7-چند مغل بادشاہوں اور شہزادیوں کے نام لکھیں جنھوں نے تعلیم کے سلسلے میں زیادہ توجہ دی۔

(ب) مندرجہ ذیل بیانات میں ایک بیان درست ہے،اس کے اوپر نشان (✓) لگائیں۔

1-مغلیہ عہد حکُومت میں قحط کے دنوں میں لگان وصُول کیا جاتا تھا۔

2-قحط کے موقع پر مغل بادشاہ مالیہ معاف کر دیتے تھے۔

3-قحط کے دنوں میں زیادہ رقم حاصل کرنے کے لیے مغل بادشاہ مالیہ دوگنا کر دیتے تھے۔

4-مغل بادشاہوں میں سے اورنگ زیب ، بابر ، شاہجہان ، جہانگیر، اکبر اور ہمایوں مشہور بادشاہ ہو گزرے ہیں۔

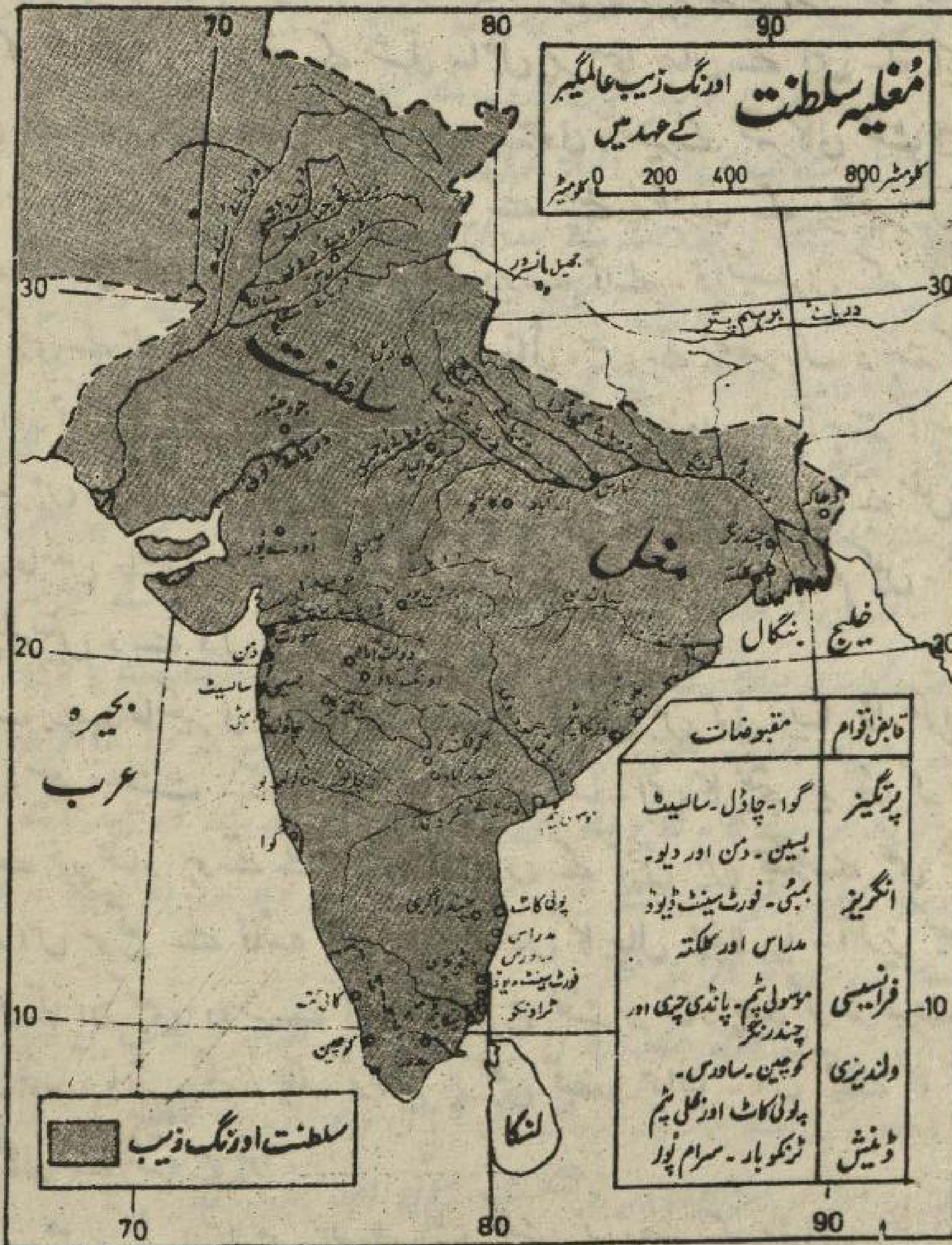
ان مشہور بادشاہوں کے نام دوبارہ اس ترتیب سے لکھیں کہ جو پہلے گزرا ہے اس کا نام پہلے آئے۔

(ج) **عملی کام**

مغلیہ عہد میں جو عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں،ان کی تصاویر اکٹھی کر کے اپنی کاپی کے صفحات پر گوند سے لگائیے۔

برِصغیر میں انگریزوں کی آمد

آپ نے پڑھا ہے کہ برِصغیر پاک و ہند میں آخری مسلمان حکومت کا خاتمہ 1857ء میں ہوا۔ یہ آخری حکومت خاندان مغلیہ کی تھی۔ اس کے بعد انگریزوں نے یہاں قبضہ جما لیا تھا۔ انگریزوں کے قبضے کی رُوداد اس طرح ہے۔



یورپی تجارتی کمپنیوں کا برِصغیر میں قیام

بہت عرصہ پہلے مُسلمانوں کے بڑھتے ہُوئے قدم برِاعظم ایشیا کے وسطی اور مشرقی علاقوں تک پہنچ چُکے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ایشیا اور یورپ کے درمیان سامانِ تجارت نہ صرف مُسلم ممالک سے ہو کر جاتا تھا بلکہ یہ تجارت بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی۔

یورپی یعنی مغربی قومیں، مُسلمانوں کے ہسپانیہ میں آٹھ سو سالہ دَورِ حکومت میں علم سے آراستہ ہو چکی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ مشرقی ممالک تک جانے کے لیے کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔ کولمبس نے برِصغیر کی تلاش میں ایک نیا برِاعظم تلاش کر لیا جو آج کل امریکہ کہلاتا ہے۔ اس کے بعد واسکوڈے گاما اس سفر پر روانہ ہُوا۔ وہ برِاعظم افریقہ کے جنوبی حِصّے کا چکر لگاتا ہُوا افریقہ کے مشرقی ساحل پر پہنچا جہاں سے اس نے ایک عرب جہازران کی مدد سے بحیرہ عرب کو عبُور کیا اور جنُوبی برِصغیر کے شہر کالی کٹ میں پہنچ گیا۔

یہ راستہ معلُوم ہو جانے کے بعد سب سے پہلے پرتگیزوں نے برِصغیر میں قدم رکھا۔ اس کے بعد فرانسیسی تجارتی کمپنیوں نے یہاں ڈیرے ڈالے۔ فرانسیسیوں کے بعد انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ایک تجارتی کمپنی بنائی، جس نے برِصغیر پاک و ہند کی طرف رُخ کیا۔ پرتگیز اور فرانسیسی جلد ہی برِصغیر سے چلے گئے، مگر انگریزوں نے آہستہ آہستہ تجارت کے بہانے برِصغیر میں اپنے قدم جمانے شروع کر دیے۔ شروع میں اُنھوں نے مغل شہنشاہ جہانگیر سے تجارتی رعایتیں حاصل کر کے مغربی ساحل پر اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔ شاہجہان نے ان کو مزید سہُولتیں دے دیں۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغل خاندان میں کوئی ایسا بڑا حکمران نہ رہا تھا جو اس قدر وسیع سلطنت کے انتظام کو سنبھال سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مرکز کمزور ہوتا گیا اور صُوبے خودِ مختار ہونے لگے۔ مغل شہزادوں کے آپس میں جھگڑے بھی شرُوع ہو گئے۔ انگریزوں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر سازشوں کا جال پھیلا دیا۔ انگریز کبھی ایک فریق کی حمایت کرتے اور کبھی دوسرے کی۔ اس طرح فتنہ و فساد پھیلا کر نہ صرف اُنھوں نے تجارت سے خُوب ہاتھ رنگے، بلکہ برِصغیر پر بھی قبضہ جما لیا۔ اس قبضے کا سلسلہ سب سے پہلے بنگال سے شرُوع ہُوا۔

انگریز بنگال میں

ابتدا میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے برِصغیر کے مغربی ساحل پر تجارتی

کوٹھیاں قائم کیں اور پھر جنوبی برِصغیر میں اپنا اقتدار قائم کیا۔ اب ان کی نگاہیں برِصغیر کے سب سے بڑے صُوبے بنگال پر تھیں۔ اس وقت بنگال کے گورنر علی وردی خان نے مغلوں کی حکومت سے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ علی وردی خان نے بنگال میں انگریزوں کو تجارت کی اجازت تو دے دی مگر ان کو قلعہ بندیوں سے روک دیا۔

علی وردی خان کی وفات کے بعد اس کا نواسہ نواب سراج الدولہ بنگال کا نواب بنا تو انگریزوں نے علی وردی خان کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہُوئے قلعہ بندیاں شرُوع کر دیں۔ سراج الدولہ نے ان کو منع کیا مگر وہ باز نہ آئے۔ اس پر سراج الدولہ نے قاسم بازار پر حملہ کر کے ان کی تجارتی کوٹھیوں پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں میں لڑنے کی ہمّت نہ تھی، لہٰذا نواب نے آگے بڑھ کر کلکتہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ انگریز جرنیل نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔

جنگِ پلاسی

کلکتہ پر نواب سراج الدولہ کے قبضہ نے انگریزوں کو بدحواس کر دیا۔ انھوں نے مدراس کے انگریز فوجی افسر سے مدد مانگی۔ اس پر کلائیو، مدراس سے فوج لے کر آیا۔ دو ہفتے کی جدوجہد کے بعد اس نے کلکتہ اور ہگلی پر قبضہ کر لیا۔ نواب سراج الدولہ نے 1754ء میں مرشد آباد سے چل کر کلکتہ کے قریب ڈیرے ڈال دیے۔ سراج الدولہ اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا، لیکن کلائیو نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہُوئے چندر نگر پر حملہ کر دیا۔ نواب سراج الدولہ نے اس خلاف ورزی پر احتجاج کیا۔ جب کلائیو نے دیکھا کہ سراج الدولہ سے معاملہ نہیں بنتا تو اس نے نواب کی فوج کے سپہ سالار میر جعفر اور چند ہندو تاجروں کے ساتھ مِل کر سازش کی اور فیصلہ کیا کہ سراج الدولہ کی بجائے میر جعفر کو بنگال کی گدّی پر بٹھا دیا جائے۔ یہ سازش ایک ہندو سوداگر امین چند کے ذریعے طے پا رہی تھی۔ امین چند نے تیس لاکھ روپے رشوت طلب کی اور کہا کہ اگر اُسے روپیہ نہ دیا گیا تو وہ نواب کو اس سازش سے خبردار کر دے گا۔ کلائیو نے اس مشکل سے نکلنے کے لیے دو عہد نامے تیار کیے۔ ایک جعلی اور دُوسرا اصلی۔ جعلی عہد نامے میں امین چند کو تیس لاکھ روپے دینے کا ذکر موجُود تھا مگر اصلی معاہدے میں اس کا ذکر نہ تھا۔

اس سازش کے تحت جنگِ پلاسی ہُوئی۔ میر جعفر بظاہر تو نواب کی فوج میں تھا لیکن درپردہ اس نے دشمن سے ساز باز کر رکھی تھی، اس لیے اس نے جنگ میں کوئی حصّہ نہ لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سراج الدولہ کو شکست ہوئی اور اسے قتل کر دیا گیا۔

میر جعفر کو بنگال کا نواب مقرر کر دیا گیا۔ کمپنی کے افسروں نے اس سے بڑی بڑی رشوتیں لیں۔ صرف کلائیو نے ہی دو لاکھ چونتیس ہزار پونڈ بطور رشوت وصول کیے۔ کپتان سے نچلے درجے کے ہر انگریز افسر کو تین ہزار پونڈ ملے۔ کلائیو نے میر جعفر سے چوبیس پرگنہ علاقہ جاگیر کے طور پر حاصل کیا۔

جب میر جعفر کے پاس انگریزوں کو دینے کے لیے روپیہ نہ رہا تو کمپنی کے افسروں نے میر جعفر کو معزول کر کے اس کے داماد میر قاسم کو بنگال کا نواب بنا دیا۔ اس کے عوض اس نے کئی علاقوں کی زمینداری کمپنی کو دے دی۔

میر قاسم ایک قابل حکمران تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ انگریزوں کے اشاروں پر چلے۔ اس نے جب دیکھا کہ کمپنی کے افسر اپنا ذاتی مال محصول ادا کیے بغیر تجارت میں لگا دیتے ہیں اور اس طرح حکومت کو نقصان پہنچتا ہے تو اس نے اندرونی تجارت کے تمام محصول معاف کر دیے۔ اس پر کمپنی کے افسر بہت ناراض ہوئے اور میر قاسم کی بجائے میر جعفر کو دوبارہ نواب بنا دیا۔

بکسر کی جنگ

میر قاسم اپنی فوج لے کر اودھ چلا گیا۔ مغل بادشاہ، شاہِ عالم اور نواب وزیر اودھ نے اس کی امداد کرنے کا وعدہ کیا۔ انگریزوں اور میر قاسم کی فوجوں کا بکسر میں آمنا سامنا ہُوا۔ میر قاسم کو شکست ہُوئی۔ میر قاسم نے دربدر ٹھوکریں کھاتے ہُوئے **1778**ء میں وفات پائی۔ بکسر کی لڑائی کا یہ نتیجہ نکلا کہ شاہِ عالم نے کمپنی کو کچھ علاقوں میں مالیہ جمع کرنے کا حق دے دیا۔ شاہِ عالم کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔

اس وقت وارن ہیسٹنگز، بنگال کا گورنر بن کر آیا۔ اُس نے بنگال کے نواب کے تمام اختیارات چھین کر خود سنبھال لیے اور بعد میں شاہِ عالم کا وظیفہ بھی بند کر دیا۔

وارن ہیسٹنگز بڑا لالچی حاکم تھا۔ اس نے راجا بنارس کو بار بار تنگ کیا کہ وہ خراج کی رقم بڑھا دے۔ آخر جب وہ اس کا مطالبہ پُورا نہ کر سکا تو اس کو گدی سے اتار کر اس کے بھتیجے کو گدی پر بٹھا دیا اور اس سے عہد لیا کہ وہ دوگنی رقم بطور خراج ادا کیا کرے گا۔

نواب وزیر اودھ ہمیشہ سے کمپنی کا مقروض چلا آ رہا تھا۔ جب وارن ہیسٹنگز نے روپے کی واپسی کا مطالبہ کیا تو اُس نے کہا کہ تمام روپیہ، زیورات، ہیرے اور جواہرات میری ماں اور دادی کے پاس ہیں۔ اگر یہ جواہرات مجھے مل جائیں تو میں قرض ادا کر سکتا ہوں۔ چنانچہ وارن

ہیسٹنگز نے بیگمات سے جبراً روپیہ و جواہرات حاصل کیے اور اس طرح اصل سے بھی زیادہ رقم وصول کر لی۔

بنگال فتح کرنے کے ساتھ ساتھ انگریزوں نے برِصغیر کے باقی علاقوں پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اُنھوں نے جنوبی برِصغیر میں بھی سازشوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ وہاں ان کا مقابلہ دو مُسلمان حکمرانوں سے تھا۔ آئیے اب ان کے حالات پڑھیں۔

حیدر علی

میسُور پر ایک ہندو راجا حکومت کرتا تھا۔ حیدر علی میسور کے ہندو راجا کی فوج میں عام سپاہی تھا، مگر اپنی لیاقت کی بدولت تھوڑی ہی مدت میں میسور کی فوجوں کا سالارِ اعظم بن گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ راجا صحیح طور پر حکومت نہیں چلا سکتا تو حیدر علی نے ریاست پر قبضہ کر لیا۔ مرہٹے حیدر علی کی بڑھتی ہُوئی طاقت سے خوف زدہ ہو گئے۔ اُنھوں نے حیدر علی پر حملہ کر دیا مگر شکست کھائی۔ انگریزوں، مرہٹوں اور نظام حیدر آباد کو حیدر علی کی قوت نے تشویش میں ڈال دیا۔ یہ تینوں اس کی طاقت کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ حیدر علی نے عقلمندی سے کام لیا اور مرہٹوں اور نظام کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اُن کی مدد سے اچانک مدراس پر حملہ کر دیا۔ انگریزوں کو شکستِ فاش ہُوئی۔



انگریزوں نے منّت سماجت کی اور صلح ہو گئی، جس کے تحت انگریزوں نے حیدر علی کو بھاری تاوانِ جنگ ادا کیا۔ فریقین کے مابین یہ بھی فیصلہ ہُوا کہ اگر ان پر کوئی دُوسرا حملہ کرے گا تو وہ ایک دُوسرے کی مدد کریں گے۔

جب مرہٹوں نے میسور پر حملہ کیا تو انگریزوں نے حیدر علی کی کوئی مدد نہ کی۔ اس دوران میں انگریزوں اور مرہٹوں کی جنگ شروع ہو گئی۔ مرہٹوں کے پیشوا نانا فرنویس نے حیدر علی کے ساتھ اتحاد کر لیا اور حیدر علی نے انگریزوں کو زبردست شکست دی۔

ٹیپو سلطان

حیدر علی کی وفات کے بعد اس کا جواں ہمت بیٹا سُلطان فتح علی خان ٹیپو گدی نشین ہُوا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ بھی انگریزوں کے خلاف جنگ میں شریک رہا تھا۔ ٹیپو بڑا بہادر انسان تھا۔ اس کو اندازہ تھا کہ اگر انگریزوں کو ابھی سے نہ روکا گیا تو ایک دن وہ سارے برِصغیر پر قابض ہو جائیں گے۔ اس نے اپنی بحری طاقت میں اضافہ کیا۔ انگریزوں سے مقابلہ کرنے کے لیے دُوسرے لوگوں سے معاہدے کیے۔ انگریز، ٹیپو کو اپنا خوفناک دشمن سمجھتے تھے چنانچہ اُنھوں نے اُسے ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔



ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت پر کاری ضرب لگانے کے لیے ٹیپو نے تُرکی اور پیرس کی حکُومتوں کے پاس اپنے سفیر بھیجے۔ امیر افغانستان سے بھی امداد طلب کی لیکن کوئی بھی اس کی مدد کو نہ پہنچ سکا۔ اس کے باوجُود وہ انگریزوں کے خلاف لڑنے کو تیار ہو گیا۔ نظام اور مرہٹے بھی انگریزوں کے ساتھ مِل گئے۔ ان کے علاوہ انگریزوں نے سُلطان کے درباریوں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس سازش میں اس کا ہندو وزیر پورنیا پیش پیش تھا۔ مرہٹوں اور نظام کی علیحدگی اور اپنوں کی اندرونی سازش کے باعث سلطان کو شکست ہوئی۔ سلطان نے ایک بہادر انسان کی طرح میدانِ جنگ میں جان دے کر شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ سُلطان شہید کا ایک عام مقولہ تھا کہ

شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔

انگریز جنرل ہیرس نے سُلطان کی لاش کو دیکھ کر نعرہ لگایا کہ 'آج سے ہندوستان ہمارا ہے'۔

سلطان انتظامی معاملات میں گہری دلچسپی لیتا۔ اُسے کاشتکاروں کی بہتری کا بڑا خیال رہتا تھا جن میں سے اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ اس کی شہادت سے صرف میسور کی آزادی ہی ختم نہیں ہُوئی بلکہ انگریزوں کے لیے برِصغیر پر قبضہ کرنے کی راہیں ہموار ہو گئیں۔

بنگال پر قبضہ کرنے اور ٹیپو کی شکست کے بعد انگریزوں کے حوصلے بُہت بلند ہو گئے تھے۔

اُنھوں نے مرہٹہ سرداروں کو بھی ایک ایک کر کے شکست دی اور مُسلمان مجاہدین کو جنھوں نے انگریزوں کے خلاف وسطی برِصغیر میں مورچے سنبھالے ہُوئے تھے، چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کی بھی طاقت ختم کر دی۔ اس طرح برِصغیر کے مشرقی، شمالی اور جنوبی حصے پر قبضہ مکمل کرنے کے بعد انگریزوں نے مغربی حِصّے پر نظریں جمائیں اور یہاں پہلے صُوبہ سندھ کی باری آئی۔

سندھ کا الحاق

انیسویں صدی کے شروع میں سندھ پر امیرانِ سندھ حکومت کرتے تھے۔ 1809ء میں لارڈ منٹو نے امیرانِ سندھ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کی رُو سے انگریزوں کو دریائے سندھ کو تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی اجازت مِل گئی، لیکن ساتھ ہی انگریزوں پر یہ واضح کر دیا گیا کہ اُنھیں دریا کے ذریعے فوجی سامان لے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

1838ء میں انگریزوں نے افغانستان پر حملہ کرنے کا منصُوبہ بنایا اور خود ہی معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہُوئے انگریز فوج کو سندھ کے راستے افغانستان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ سندھ جنگی لحاظ سے ایک بڑا اہم علاقہ تھا جس پر قابض ہو کر برِصغیر کی شمال مغربی سرحد پر فوجی گرفت کو مضبُوط کیا جا سکتا تھا، لہذا انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کر لینے کا فیصلہ کیا۔ اُنھوں نے امیرانِ سندھ پر معاہدے کی خلاف ورزی کا بے بُنیاد الزام لگا کر مُطالبہ کیا کہ سندھ کا کچھ علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔ ابھی امیرانِ سندھ صلاح مشورہ کر رہے تھے کہ انگریزوں نے اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس پر سندھ کے عوام بھڑک اُٹھے اور انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ انگریزوں نے امیرانِ سندھ کو شکست دی اور اس طرح سندھ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد پنجاب پر قبضہ کرنا آسان ہو گیا۔

پنجاب کا الحاق

لارڈ ہارڈنگ 1844ء میں گورنر جنرل بن کر آیا۔ اس کے عہد میں سکھوں کی پہلی جنگ ہُوئی جس میں سکھوں کو شکست ہوئی اور معاہدے کی رُو سے سکھوں کو دریائے ستلج کے بائیں کنارے کے تمام علاقے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کرنا پڑے۔

لارڈ ہارڈنگ کے بعد لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل بن کر آیا۔ اس نے کمپنی کی حکومت

کو وسیع کرنے کے لیے تمام حربے استعمال کیے۔

پہلی جنگ میں شکست کے باوجود سکھوں کے حوصلے بلند تھے اور وہ اس کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ سکھوں نے انگریزوں کے خلاف والئ کابل سے امداد طلب کی اور اس کے عوض پشاور کا علاقہ دینے کا وعدہ کیا لیکن والئ کابل نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔ جلد ہی انگریزوں اور سکھوں کے مابین دوسری جنگ شروع ہوگئی۔ اس جنگ میں گجرات اور چیلیانوالہ میں فریقین کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی۔ اس بار بھی سکھوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اور اس طرح پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ سکھ فوج کو توڑ دیا گیا اور رنجیت سنگھ کے نوعمر بیٹے مہاراجہ دلیپ سنگھ کا وظیفہ مقرر کرکے اُسے انگلستان بھیج دیا گیا۔

انگریزوں نے سکھوں پر جُرمانہ عائد کیا۔ سکھ اُسے ادا نہ کر سکتے تھے، کیونکہ خزانہ خالی تھا۔ لہٰذا امرتسر میں انگریزوں اور سکھ سرداروں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے کشمیر کی مُسلم اکثریت والی ریاست پچھتر لاکھ روپے میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کرکے یہ رقم حاصل کی گئی۔ اس طرح کشمیر کی مُسلم اکثریت کو بھیڑ بکریوں کی طرح ایک ڈوگرہ ہندو کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔

سکھوں نے تھوڑا عرصہ پنجاب پر حکومت کی مگر اس دوران میں اُنھوں نے مسلمانوں پر بے شمار مظالم ڈھائے۔

مشق

مختصر جوابات لکھیے۔

1۔ مغربی قومیں برِصغیر پاک و ہند میں پہنچنے کے لیے بحری راستہ کیوں تلاش کرنا چاہتی تھیں؟

2۔ تجارت کی غرض سے یورپ سے کن کن ملکوں کے لوگ برِصغیر میں آئے؟ ان میں سے کس مُلک کو کامیابی حاصل ہُوئی؟

3۔ جنگِ پلاسی میں نواب سراج الدولہ کی شکست کے اہم اسباب کیا تھے؟

4۔ بکسر کی جنگ کا کیا نتیجہ نکلا؟

5۔ اس مسلمان حکمران کا نام بتائیے جس نے انگریزوں کو برِصغیر سے نکالنے کی بھرپُور کوشش کی۔

6 ۔ سندھ کے الحاق سے متعلق نوٹ لکھیے ۔

7 ۔ پنجاب کے الحاق سے متعلق نوٹ لکھیے ۔

(ب) نیچے لکیر کے دونوں جانب چند بیانات دیے ہوئے ہیں ، آپ ان کو آپس میں ملاکر اس طرح لکھیں کہ مفہوم واضح ہو جائے ۔

(i) سکھوں نے پنجاب پر	والئ کابل نے کوئی مدد نہ دی ۔
(ii) انگریزوں نے پنجاب پر	تھوڑا عرصہ حکومت کی ۔
(iii) ٹیپو کے کہنے کے باوجود	قریباً ایک سو سال حکومت کی ۔
(iv) انگریزوں کے مقابلے میں سکھوں کو	شکست ہوئی ۔
(v) پلاسی کی جنگ میں نواب سراج الدولہ کے خلاف	ہندو اور مسلمان افسروں نے غدّاری کی ۔

(ج) عملی کام

اپنی اپنی کاپی پر جنگِ پلاسی کا نقشہ بنائیں اور اس میں میر جعفر کی پوزیشن کو خاص طور پر ظاہر کریں ۔

1857ء کی جنگِ آزادی

انگریز جو عہدِ مغلیہ میں محض تجارت کی غرض سے برِصغیر میں آئے تھے، 1857ء تک دو تہائی حصے پر مکمل قابض ہو چکے تھے اور باقی ایک تہائی حصے پر قریباً چھ سو راجے اور نواب حکومت کرتے تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو خراج دیتے تھے۔ جب لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل بن کر آیا تو اس نے اس ایک تہائی حصے پر بھی مکمل قبضہ کرنے کی ٹھان لی۔

اودھ کا علاقہ کمپنی کے زیرِ اثر تو پہلے سے ہی تھا مگر اب اس علاقے پر مکمل قبضہ کرنے کے لیے انگریزوں نے کئی ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیے۔ بالآخر انگریز فوج نے زبردستی شاہی محل پر قبضہ کر لیا۔ شاہی خاندان کی عورتوں کے زیورات زبردستی چھین لیے گئے۔ بیگمات کی بے عزتی کی گئی اور نواب کو قیدی بنا کر کلکتہ میں نظر بند کر دیا گیا۔

جھانسی کی رانی کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ انگریزوں نے اس کے متبنیٰ کو وارث ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح ناگ پور کی رانیوں کے وارثوں کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ دکن میں اعظم جاہ کے بیٹے کو کرناٹک کا جائز وارث ماننے سے انکار کر دیا اور کرناٹک پر زبردستی قبضہ کر لیا۔

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو، جس کی حکومت برائے نام صرف قلعہ دہلی کے اندر ہی تھی، اطلاع دے دی گئی کہ اس کے بعد اس کی اولاد میں سے کوئی اپنے نام کے ساتھ بادشاہ کا لفظ استعمال نہیں کر سکے گا اور ان کو قلعہ بھی خالی کرنا ہوگا۔

انگریزوں کی ان دھاندلیوں سے عوام کو بڑا دُکھ اور صدمہ پہنچا۔ اُن میں انگریزوں کے خلاف نفرت کے جذبات اُبھرنے لگے۔

کمپنی کے عہد حکومت میں زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت پر بڑا بُرا اثر پڑا۔ برِصغیر کی خوشحالی ختم ہو گئی۔ برِصغیر کی بہت سی دولت انگلستان چلی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ برِصغیر کے عام لوگوں کی مالی حالت روز بروز خراب ہوتی چلی گئی۔ بڑے بڑے زمینداروں کی زمینیں چھین لی گئیں جس کی وجہ سے ان کی اقتصادی حالت کافی پتلی ہو گئی۔

عیسائی مشنریوں نے اپنی مہم کو تیز کر دیا۔ اُنھوں نے ہر طریقے سے برِصغیر کے لوگوں کو عیسائی بنانا شروع کر دیا۔ مندروں اور مسجدوں کے ساتھ جو وقف جائدادیں تھیں، ان پر بھی قبضہ کر لیا۔

ان سب باتوں کی وجہ سے عوام کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف بڑی نفرت پیدا ہو چکی تھی، لیکن ایک واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ہندوستانی سپاہیوں کو جو کارتوس دیے گئے تھے ان پر گائے اور سؤر کی چربی لگی ہُوئی تھی اور چلانے سے پہلے ان کارتوسوں کی ٹوپی کو دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ گائے ہندوؤں کے نزدیک بڑی مقدس ہے، سؤر مسلمانوں کے نزدیک حرام ہے۔ ہندو اور مسلمان سپاہیوں نے یہ جان کر کہ یہ کارتوس دے کر اُن کی مذہبی توہین کی گئی ہے، اُنھیں استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر انگریز افسروں نے کہا کہ جو سپاہی ان کارتوسوں کو استعمال کرنے سے انکار کریں گے، ان کو سخت سزا دی جائے گی۔

مارچ 1857ء میں جب یہ کارتوس بارک پور (کلکتہ) کے مقامی سپاہیوں کو دیے گئے تو اُنھوں نے یہ کارتوس لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر جھگڑا ہو گیا جس میں ایک مقامی سپاہی نے انگریز افسر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس پر فوجی عدالت نے اس سپاہی کو سزائے موت کا حکم دے دیا۔ جب یہ خبر دُوسری چھاؤنیوں میں پہنچی تو دُوسرے مقامی سپاہیوں نے بھی ان کارتوسوں کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مقامی سپاہیوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ اس پر مقامی فوج بھڑک اٹھی اور اس نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی اور قیدیوں کو جیل سے رہا کرا لیا۔

مئی 1857ء میں میرٹھ کی فوج کے ہندوستانی سپاہی دہلی پہنچ گئے۔ وہاں جا کر اُنھوں نے بہادر شاہ ظفر کی حکومت کا اعلان کر دیا اور اس سے وفاداری کا حلف اُٹھایا۔ محمد بخت خاں اس کی فوج کا کمانڈر بنا، لیکن مغل شہزادے بلا وجہ اس کے کام میں رکاوٹ ڈالتے رہے، جس کی وجہ سے اُسے ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔

سر جان لارنس اس وقت پنجاب کا چیف کمشنر تھا۔ اس نے سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر ساتھ ملا لیا اور جنرل نکلسن کی سرکردگی میں قریباً پچپن ہزار فوج دہلی پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجی۔ چار مہینے کی لڑائی کے بعد دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور بہادر شاہ ظفر کو ہمایوں کے مقبرے سے گرفتار کر کے رنگون میں جلاوطن کر دیا گیا۔ انگریزوں نے دہلی والوں سے خوفناک انتقام

لیا - مغل شہزادوں کو بے دردی سے گولیوں کا نشانہ بنایا گیا -

جن دوسرے مقامات پر انگریزوں کے ساتھ جھڑپیں اور لڑائیاں ہوئیں ان میں کراچی، حیدرآباد شکارپور، بریلی، کانپور، لکھنؤ، جھانسی اور اودھ زیادہ قابلِ ذکر ہیں - مقامی لوگوں نے انگریزوں کا مقابلہ تو کیا مگر بالآخر اُنھیں شکست ہُوئی - انگریزوں نے فتح حاصل کرنے کے بعد مقامی لوگوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے- ہزاروں مردوں عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا گیا اور جائدادوں کو شدید نقصان پہنچایا -

نتائج

جنگِ آزادی کے بعد مُغل حکومت کا خاتمہ ہوگیا - بہادر شاہ ظفر کو مجرم قرار دے کر جلا وطن کر دیا گیا - ایسٹ انڈیا کمپنی کو توڑ دیا گیا اور بّرِصغیر کی حکومت براہِ راست تاج برطانیہ کے ماتحت آ گئی - انگریزوں کے قبضے کے بعد دہلی کی یہ حالت تھی کہ جو مقامی آدمی نظر آ جاتا، اسے گولی مار دی جاتی - لوگ جان بچا کر دہلی سے بھاگ گئے اور دہلی اُجڑ کر رہ گئی - اس جنگ میں انگریزوں کے سات ہزار آدمی مارے گئے، لیکن اس کے مقابلے میں پانچ لاکھ مقامی سپاہیوں اور شہریوں کو قتل کرنے کے بعد بھی انگریز کا غُصّہ سرد نہ ہُوا -

انگریزوں نے اس لڑائی کا ذمہ دار صرف مُسلمانوں کو ٹھہرایا - یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ مصیبتیں مسلمانوں کو ہی برداشت کرنا پڑیں - صرف ایک دن میں چوبیس مغل شہزادوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا گیا - مسلمانوں کے محلّے تباہ کر دیے گئے اور ان کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں -

مشق

خالی جگہوں کو پُر کریں -

1 - انگریز .... کی غرض سے بّرِصغیر میں آئے تھے -

2 - اودھ کی بیگمات کے .... زبردستی چھین لیے گئے -

3 - آخری مغل تاجدار .... جنگِ آزادی کے وقت بُوڑھا ہو چُکا تھا -

4 - کمپنی کے عہد میں بّرِصغیر کی .... ختم ہو گئی تھی -

5 - یہ بات عام تھی کہ کارتوسوں کی ٹوپی پر .... اور .... کی چربی لگی ہُوئی تھی -

6 - میرٹھ کی فوج کے مقامی سپاہی .... پہنچ گئے -

7 - جنگِ آزادی میں ناکامی کے بعد .... کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں -

آزادی کی جدوجہد

یہ بات تو بتائی جا چکی ہے کہ انگریزوں کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کے لیے سراج الدولہ، حیدر علی اور ٹیپو سلطان جیسے حکمرانوں نے بھرپور کوششیں کیں، لیکن وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ تاہم بعض مسلم قائدین نے عوام کے تعاون سے اپنے طور پر آزادی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کو جاری رکھا۔ ان میں سے شاہ ولی اللہؒ پیش پیش تھے۔

شاہ ولی اللہؒ

اٹھارویں صدی کے شروع میں شاہ ولی اللہؒ نے برِصغیر کے مسلمانوں کی حالت کو سدھارنے کی کوشش کی۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں میں مذہبی تعلیم کو عام کرنے سے اُن میں زندگی کی نئی لہر پیدا کی جا سکتی ہے اور وہ اس کی روشنی میں اپنا کھویا ہوا وقار اور عزت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے دہلی میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔

شاہ ولی اللہؒ کے زمانے میں مرہٹے برِصغیر میں بہت سا علاقہ فتح کرتے ہوئے دہلی تک پہنچ گئے تھے۔ مغل بادشاہ بھی ان سے خوف کھانے لگے تھے۔ مرہٹوں نے مسلمانوں پر بے شمار مظالم ڈھائے۔ شاہ ولی اللہؒ نے ان حالات کے پیشِ نظر ضروری سمجھا کہ مسلمان بادشاہوں کو کفار کا مقابلہ کرنے اور مسلمانوں کو اُن کے ظلم و ستم سے بچانے کے لیے درخواست کی جائے۔ اُن کی درخواست پر افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی نے برِصغیر پر حملہ کر دیا۔ پانی پت کے میدان میں مرہٹہ فوجوں اور احمد شاہ ابدالی کی فوجوں میں زبردست لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی کو پانی پت کی تیسری لڑائی کہتے ہیں۔ اس لڑائی میں مرہٹوں کو ایسی شکست ہوئی کہ وہ پھر کبھی سر نہ اُٹھا سکے۔

احمد شاہ ابدالی اس فتح کے بعد افغانستان واپس لوٹ گیا جس کی وجہ سے برِصغیر میں کوئی ایسا انتظام قائم نہ ہو سکا جو مرہٹوں یا کسی اور غیر مسلم قوم کو دوبارہ مسلمانوں کے خلاف محاذ بنانے سے روک سکتا۔ ادھر مسلمان حکمرانوں نے مرہٹوں کی شکست سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ اُنھوں نے پھر آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا اور اس طرح انگریزوں کے لیے

برِصغیر پر قبضہ کرنا آسان ہو گیا۔

شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں نے اپنے باپ کے مشن کو جاری رکھا۔

سیّد احمد شہیدؒ

سیّد احمد بریلی میں پیدا ہوئے۔ انھیں بچپن ہی سے شمشیرزنی اور کشتی کا بہت شوق تھا۔ سیّد صاحب چھے سال شاہ ولی اللہؒ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز کے درس میں شریک رہے۔ سیّد صاحب نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد برِصغیر کا دورہ کیا اور مسلمانوں کو غیر ضروری رسم و رواج چھوڑ کر اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کی۔

اس وقت پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی جو پنجاب کے مسلمانوں پر بڑے ظلم ڈھا رہی تھی۔ سکھوں نے کئی مساجد کو اصطبل بنا دیا تھا۔ بعض علاقوں میں مسلمانوں کو اذان تک دینے کی اجازت نہ تھی۔ مسلمانوں کو جبراً سکھ بنانے کی مہم جاری تھی۔ یہ حالات جب سیّد صاحب تک پہنچے تو انھیں بڑا دکھ ہوا۔ انھوں نے پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کے ظلم و ستم سے بچانے کے لیے مجاہدین کی ایک فوج تیار کی۔ پانچ چھ سو مجاہدین کا ایک چھوٹا سا لشکر تیار کیا اور سندھ۔ بلوچستان سے گزر کر قندھار (افغانستان) گئے۔ وہاں سے کابل (افغانستان) ہوتے ہوئے پشاور پہنچ گئے۔ انھوں نے پشاور سے آگے بڑھ کر نوشہرہ کو اپنا مرکز بنایا اور یہاں کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کی اور ساتھ ساتھ اپنی فوجی طاقت میں بھی اضافہ کیا۔

سکھوں اور سیّد احمدؒ کے مجاہدین میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ آخری لڑائی 1831ء میں نوشہرہ کے پاس قصبہ بالاکوٹ کے قریب ہوئی جس میں مسلمانوں نے بڑی بہادری اور جرأت کا ثبوت دیا لیکن کچھ اپنوں کی غدّاری اور کچھ سکھوں کی زبردست فوجی طاقت کے مقابلے میں مٹھی بھر مجاہدین کامیاب نہ ہو سکے۔ سیّد احمد اور شاہ اسماعیل اسی لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

سیّد احمد اور شاہ اسماعیل کی شہادت کے بعد بھی تحریکِ جہاد جاری رہی۔ انگریزوں نے مجاہدین کی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے اُن کے مرکز کو آگ لگا کر ملبے کا ڈھیر بنا دیا اور ان میں بیشتر پر مقدمے چلا کر انھیں سزا دی۔ بعض کو ملک بدر کر دیا گیا۔

مُسلمانوں کا قومی تشخّص

شاہ ولی اللہؒ، سیّد احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی کوششوں کے باوجود مسلمانوں کی تباہی نہ رُک سکی اور ان کو آخری ضرب 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی سے لگی۔ مُسلمان مایُوس ہو چکے تھے کہ اُن کی رہنمائی کے لیے سر سیّد احمد خان آگے آئے۔

سر سیّد احمد خان

سیّد احمد خان دہلی کے ایک خوشحال گھرانے میں پیدا ہُوئے۔ شروع ہی سے سر سیّد کو اسلام اور تاریخ کے مُطالعہ سے بڑی دلچسپی تھی۔

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں نے مُسلمانوں کے ساتھ بہت بُرا سلُوک کیا جس کی بنا پر مُسلمان انگریزوں سے نفرت کرنے لگے۔ اُدھر ہندوؤں نے مُسلمانوں کے خلاف انگریزوں سے تعاون کیا۔ ساتھ ہی ساتھ ہندوؤں نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور اس طرح سرکاری ملازمتوں پر چھا گئے۔ ایسے حالات میں سر سیّد احمد خان نے مُسلمانوں کی رہنمائی کی۔

سر سیّد سمجھتے تھے کہ اگر مسلمانوں نے جدید علوم سے واقفیت حاصل نہ کی اور اپنی عظیم الشان اسلامی روایات کو ازسرِ نو زندہ نہ کیا تو وہ ہندوؤں کے مقابلے میں پیچھے رہ جائیں گے اور برِصغیر کے اندر اپنا صحیح مقام حاصل نہ کر سکیں گے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سر سیّد نے مُسلمان نوجوانوں کو جدید علُوم سے آراستہ کرنے کی مہم شرُوع کی۔ مراد آباد میں ایک سکُول قائم کیا اور غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کی بُنیاد رکھی، جس کا مقصد مغربی علوم کے بارے میں انگریزی کتابوں کا اُردو ترجمہ کرنا اور مغربی علوم کو آسان زبان میں لوگوں تک پہنچانا تھا۔ سر سیّد نے 'تہذیب الاخلاق' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا، جس میں تعلیمی اور اخلاقی مضامین شائع ہوتے تھے۔ سر سیّد نے مغربی طرزِ تعلیم کا مطالعہ کرنے کے لیے انگلستان کا سفر کیا۔ لندن سے واپسی پر سر سیّد نے مغربی طرز پر تعلیمی ادارے قائم کرنے کی ضرُورت سے متعلق دوسرے مُسلمان رہنماؤں سے بات چیت کی اور اس سلسلے میں دیگر ضروری کوششیں بھی شرُوع کیں۔ سر سیّد کی اس کوشش کے نتیجہ میں 1875ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل (ایم۔ اے۔ او) سکُول قائم ہُوا جسے دو سال بعد کالج کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اس طرح مسلمان نوجوانوں میں جدید تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اِن اداروں کی بدولت علی گڑھ نے

برِصغیر کے مُسلمانوں میں بڑے بڑے رہنما پیدا کیے، جنھوں نے آگے بڑھ کر تحریکِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حِصّہ لیا۔



سرسیّد احمد خان مُسلمانوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ اُنھیں سیاسی طور پر بھی بیدار کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کا واسطہ انگریزوں اور ہندوؤں سے تھا۔ 1867ء میں ہندوؤں نے اُردو زبان کو ختم کرنے کی زبردست مہم شروع کی، جس کا سرسیّد کو بڑا دُکھ ہُوا۔ ہندو دراصل اُردو زبان کو ختم کر کے مُسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو مٹا دینا چاہتے تھے۔ ہندوؤں کے اس روّیے کو دیکھ کر سرسیّد کا یقین پختہ ہوگیا کہ دونوں قومیں اکٹھا نہیں رہ سکتیں۔

سرسیّد احمد خان مُسلمانوں کو تعلیم سے بہرہ ور کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش کرتے رہے کہ کسی نہ کسی طرح انگریز، مسلمانوں کی مخالفت ترک کر دیں۔ اُنھوں نے ایک طرف تو انگریزوں کو مطمئن کیا اور دوسری طرف مُسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ تعلیم حاصل کریں اور حکوُمت

کے کاموں میں حصّہ لیں ۔ سرسیّد احمد خان کی کوششوں سے مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی بدگمانی بڑی حد تک کم ہوئی اور مسلمان بھی حکومتی کاموں میں حصّہ لینے لگے ۔ سرسیّد احمد خان نے چالیس سال تک مسلسل محنت کرکے ایک مردہ قوم میں نئے سرے سے زندگی پیدا کر دی ۔

برِّصغیر میں سیاسی بیداری

انڈین نیشنل کانگرس کا قیام

برِصغیر میں جب انگریز حکومت قائم ہو چکی تو اب اس انگریز حکومت کو کسی ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو اُن کی حمایت اور مدد کرے ۔ اس ضرورت کو محسوس کرکے ایک انگریز، مسٹر ہیوم نے ہندوؤں کے ساتھ مِل کر 1885ء میں انڈین نیشنل کانگرس کی بُنیاد رکھّی ۔ کانگریس کا مقصد قرار پایا کہ برِّصغیر کے پڑھے لکھے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر حکومت کے مشورے سے اپنی معاشرتی برائیوں کو دُور کرنے کی تدبیریں سوچیں ۔ ہندو چونکہ انگریزوں کے قریب آ چکے تھے اس لیے کانگرس میں زیادہ تر ہندو ہی شریک ہوئے ۔ ابتداء میں کانگرس کے اجلاس برطانوی حکومت کے مشورے ہی سے برِّصغیر کے مختلف شہروں میں بلائے جاتے تھے ، جن کی صدارت بعض موقعوں پر انگریز ہی کرتے تھے اور حکومت کی طرف سے شریک ہونے والوں کو دعوتیں دی جاتی تھیں ۔ ان جلسوں میں برطانوی حکومت کی تعریفیں کی جاتی تھیں اور انگریز راج کے گُن گائے جاتے تھے ۔

اکثر مُسلمان کانگرس سے الگ رہے ۔ سرسیّد احمد خان نے بھی ان کو کانگرس میں شرکت سے منع کیا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ کانگرس پر ہندُو چھائے رہے ۔ کانگرس کی بدولت ہندوؤں کے انگریزوں کے ساتھ تعلقات اچھے ہو گئے ۔ انگریزوں نے بھی ہر اعتبار سے ہندوؤں کو آگے بڑھانے کی کوشش کی اور کانگرس کو ایک خالص ہندُو تحریک بنا دیا ۔ کانگرس کے اکثر لیڈر برِصغیر میں مُسلمانوں کے وجُود کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے ۔ ان کا کہنا تھا کہ مسلمان اچھوت اور غیر ملکی ہیں ، یا تو یہ ہندو دھرم قبُول کریں یا یہاں سے چلے جائیں ۔

وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ حکومت کی شہ پر کانگرس اتنی خُود سَر ہو گئی تھی کہ وہ حکومت کو ایسے اچھے کام بھی نہیں کرنے دیتی تھی جس میں ہندوؤں کو خصُوصی فائدہ نہ ہو ۔ اس کی ایک واضح مثال تقسیمِ بنگال کا واقعہ ہے ۔

تقسیمِ بنگال

انگریز حکومت نے اپنی انتظامی ضرورت کے پیشِ نظر 1905ء میں بنگال کے وسیع صوبے کو مشرقی اور مغربی حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ سیاسی طور پر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشرقی حصہ مسلمانوں کی اکثریت کا صوبہ بن گیا، جس میں آسام بھی شامل تھا۔ ہندوؤں کو پسند نہ تھا کہ مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہو جائے، اس لیے وہ انگریز حکومت کے اس فیصلے پر بھڑک اُٹھے۔ نہ صرف ہندوؤں نے اس تقسیم کی شدید مخالفت کی، بلکہ کانگرس بھی اس تقسیم کے بہت خلاف تھی۔ چنانچہ ہندوؤں نے اکٹھے ہو کر تقسیمِ بنگال کے خلاف زبردست تحریک شروع کر دی۔ اس سے مُسلمانوں کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ کانگرس ایک خالص ہندو جماعت ہے اور یہ کہ ہندو کسی ایسے کام پر راضی نہیں ہوں گے جس میں مُسلمانوں کا کچھ بھلا ہوتا ہو۔ ہندوؤں اور کانگرس نے تقسیم بنگال کے خلاف مہم اس زور سے چلائی، کہ بالآخر حکومت کو ہندوؤں کے ناجائز مطالبے کے سامنے جُھکنا پڑا اور 1911ء میں اس تقسیم کو ختم کر کے بنگال کو پھر ایک صوبہ بنا دیا گیا۔

مسلم لیگ کا قیام

تقسیمِ بنگال کے بعد ہندوؤں اور کانگرس کی مُسلم دُشمنی کی شدت نے آخر مسلمان لیڈروں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ انھیں برِصغیر میں ایک باغیرت قوم کی طرح زندہ رہنے کے لیے اپنی ایک ایسی سیاسی تنظیم کی ضرورت ہے جس کے پلیٹ فارم پر مُسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے آواز بلند کی جا سکے اور مُسلمانوں کے جذبات و احساسات حکومت تک پہنچائے جا سکیں۔ چنانچہ 1906ء میں مسلمان لیڈروں کا ایک وفد وائسرائے ہند سے شملہ میں سر آغا خاں کی



سرکردگی میں ملا اور مسلمانوں کے لیے جُداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا۔

اسی سال دسمبر میں جب ڈھاکہ میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تو اس میں جو قومی لیڈر جمع ہوئے اُنھوں نے ایک سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ چنانچہ نواب سلیم اللہ خاں کی تحریک پر آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ یہ جماعت برِصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ کر سکے۔ حکومت نے برِصغیر کے لوگوں کو اصلاحات دینے کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ 1909ء کی اصلاحات میں مسلمانوں کو جُداگانہ انتخاب کا حق مل گیا جس کا مطلب تھا کہ مسلمان اب صوبائی اور مرکزی اداروں میں اپنے نمائندے خود چُن سکتے تھے۔

مُسلم لیگ اور کانگرس میں اختلاف ہونے کے باوجود دونوں جماعتیں حکومت میں زیادہ سے زیادہ اختیار چاہتی تھیں۔ اس سلسلے میں کئی ایک کام مِل جُل کر بھی کیے گئے۔

معاہدہ لکھنؤ

پہلی عالمی جنگ کے دَوران میں کانگرس اور مسلم لیگ نے محسوس کیا کہ آزادی کے لیے ان کو مِل جُل کر کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ 1916ء میں لکھنؤ میں کانگرس اور مسلم لیگ کے اجلاس منعقد ہوئے جس میں مسلم لیگ اور کانگرس میں ایک سمجھوتہ طے پایا جو معاہدۂ لکھنؤ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ معاہدہ قائدِاعظمؒ محمد علی جناح کی کوششوں سے ہوا۔ اس کی رُو سے کانگرس نے مسلمانوں کے لیے جُداگانہ حق کو تسلیم کر لیا۔ اس معاہدے سے مُسلمانوں کو یہ فائدہ ہُوا کہ ہندوؤں نے مُسلمانوں کو ایک الگ قوم تسلیم کر لیا۔ یہاں سے مُسلمانوں کی سیاست نے ایک نیا رُخ اختیار کیا۔

مُسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا ہو چکی تھی۔ اب وہ نہ صرف برِصغیر کے مُسلمانوں کے بارے میں سوچنے لگے، بلکہ مُسلمانانِ عالم کی ہمدردی میں بھی قدم اُٹھانے لگے۔

تحریکِ خلافت

پہلی عالمی جنگ میں تُرکوں نے انگریزوں کے خلاف جرمنی کا ساتھ دیا۔ جرمنی کی حمایت کرنے کے جُرم میں برطانیہ نے تُرکی کی سلطنت کے بہت بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ یُونانیوں نے انگریزوں کی شہ پر تُرکی پر حملہ کر دیا اور تُرک آبادی پر یُونانیوں نے بے پناہ مظالم توڑے۔ مصر پہلے ہی تُرکی سے علٰحدہ ہو چکا تھا۔ اب عراق اور عرب بھی تُرکوں کے ہاتھ سے نِکل گئے۔ جنگ کے دَوران میں برطانیہ نے مُسلمانانِ برِصغیر سے وعدہ کیا تھا کہ مُسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کی عزت و حُرمت کو برقرار رکھا جائے گا، لیکن فتح حاصل

کرنے کے بعد انگریزوں نے تمام وعدوں کو بُھلا دیا۔ فلسطین میں یہودیوں کو بسانے اور اُن کی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ دُوسرے کئی عرب ممالک پر انگریزوں اور فرانس نے قبضہ کر لیا۔

انگریزوں کی بدعہدی کے خلاف برِصغیر کے مُسلمانوں میں غم و غُصّہ کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا مُحمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے ایک تحریک شرُوع کی، جسے تحریکِ خلافت کہتے ہیں۔ برِصغیر کے اکثر مُسلمان لیڈر اور عوام اس تحریک میں شریک ہو گئے۔ اس تحریک کے دو مقاصد تھے۔ مُسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت اور خلافت کی بحالی۔ دُوسرے، برِصغیر کے لیے آزادی حاصل کرنا۔ مولانا مُحمد علی جوہر نے اپنے اخبار کامریڈ کے ذریعے مُسلمانوں میں ایک نیا جذبہ پیدا کر دیا۔ پنجاب میں اس تحریک کی قیادت مولانا ظفر علی خاں نے سنبھالی جنھوں نے اپنے اخبار 'زمیندار' کے ذریعے پنجاب کے مُسلمانوں میں ایک نئی بیداری پیدا کر دی۔

ہزاروں مُسلمانوں کو تحریکِ خلافت میں حصّہ لینے کے جُرم میں جیلوں میں بھیج دیا گیا، مگر وہ اپنے ارادوں اور فیصلوں پر ڈٹے رہے اور برطانیہ کے بنے ہُوئے مال کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ ہندوؤں نے ابھی تک انگریزوں کے خلاف کسی تحریک میں حصّہ نہیں لیا تھا۔ گاندھی جی نے اس موقع کو غنیمت جان کر تحریکِ خلافت کی ابتدا میں حمایت تو شروع کر دی مگر بعد میں اچانک کنارہ کشی اختیار کر لی جس سے تحریک کے مقاصد کو خاصا نقصان پہنچا۔

مشق

مختصر جوابات لکھیے:۔

(ا) 1۔ مرہٹے مُسلمانوں کے ساتھ کیسا سلُوک کرتے تھے؟

2۔ شاہ ولی اللہؒ نے مسلمانوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے کیا پروگرام بنایا؟

3۔ پانی پت کی تیسری لڑائی کے کیا نتائج برآمد ہُوئے؟

4۔ سیّد احمد شہیدؒ کو شہید کیوں کہتے ہیں؟ آپ نے کہاں شہادت پائی؟

5۔ جنگِ آزادی کے بعد مُسلمانوں کو کس قسم کے لیڈر کی ضرورت تھی؟ ایسے حالات میں کس مسلمان رہنما نے مُسلمانوں کی رہنمائی کی؟

6۔ سر سیّد احمد خانؒ نے مُسلمانوں کی بیداری کے لیے کیا کیا کام کیے؟

7۔ مسلمان رہنما انڈین نیشنل کانگرس میں شریک ہونا کیوں پسند نہیں کرتے تھے ؟
8۔ تقسیمِ بنگال پر ہندوؤں نے کیوں ناراضگی کا اظہار کیا ؟
9۔ مسلم لیگ کا قیام کیونکر عمل میں لایا گیا ؟
10۔ معاہدۂ لکھنؤ مسلمانوں کے لیے کیونکر اہم ہے ؟

(ب) درج ذیل بیانات میں سے جو درست ہیں، اُن کے آگے درست کا نشان (✓) لگائیں۔

1۔ پہلی عالمی جنگ میں ترک، جرمنوں کے خلاف لڑے ۔
2۔ پہلی عالمی جنگ کے خاتمے پر تُرکوں کے بہت سے علاقے چھین لیے گئے ۔
3۔ مولانا محمد علی جوہر اور محمد علی جناحؒ آپس میں بھائی تھے ۔
4۔ سرسید احمد خان 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد پیدا ہُوئے ۔
5۔ شاہ اسمٰعیل شہید ، سید احمد شہید کے ساتھی تھے ۔
6۔ کانگرس کی بنیاد ایک انگریز نے رکھی تھی ۔
7۔ تحریکِ خلافت کو گاندھی نے بہت نقصان پہنچایا ۔

عملی کام

1۔ نقشہ کشی کی کاپی پر برِصغیر کا خاکہ بنائیے اور ان مراکز کے نام لکھیے جہاں برِصغیر کے لوگوں نے انگریزوں کے خلاف جنگیں لڑیں ۔

2۔ ان لیڈروں کی تصاویر جمع کیجیے جنھوں نے جدوجہد آزادی میں حصّہ لیا۔ ان تصاویر کو اپنی کاپی کے خالی صفحات پر گوند سے لگائیے ۔

قیام پاکستان کی کوشش

تحریکِ خلافت کی ناکامی کے بعد مُسلمانوں میں پھر بد دلی پیدا ہو گئی۔ کانگرس نے مُسلمانوں کو دبانے کا موقع غنیمت سمجھا اور 1928ء میں پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں کئی اجلاس ہُوئے۔ بعد میں ایک رپورٹ بھی منظور کی گئی جسے نہرو رپورٹ کہتے ہیں۔ اس رپورٹ میں جن باتوں کی سفارش کی گئی تھی، وہ سراسر مُسلمانوں کے مفادات کے خلاف تھیں۔

نہرو رپورٹ کی اشاعت کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں میں اختلافات اور بڑھ گئے، برِصغیر کے بڑے بڑے شہروں میں ہندو مُسلم فسادات کی آگ پہلے سے بھڑک رہی تھی۔ ان فسادات میں ہندوؤں نے اپنی اکثریت کے بل پر مُسلمانوں پر بہت ظلم و تشدد کیا۔ کانگرس نے اس موقع کو غنیمت جانا اور انگریزوں کی شہ پر برِصغیر میں ہندو راج قائم کرنے کی سکیم کو آخری شکل دینا شروع کر دی۔

مُسلمانوں کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کانگرس کی سکیم کا کوئی توڑ تلاش کیا جائے۔ ان حالات میں الٰہ آباد کے مقام پر 1930ء میں مُسلم لیگ کا سالانہ جلسہ منعقد ہُوا۔ اس جلسے کی صدارت علامہ اقبالؒ نے کی۔ علامہ اقبالؒ مسلمانوں کے قومی شاعر ہیں۔ اُنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے مُسلم قوم میں آزادی حاصل کرنے کی ایک نئی رُوح پھونک دی تھی۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ دُنیا کے مُسلمانوں کو سربلند دیکھیں۔ علامہ اقبالؒ اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ برِصغیر کے مُسلمانوں کی بہتری اس میں ہے کہ وہ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے اُبھریں۔

خطبہ الٰہ آباد

اس جلسے میں علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبۂ صدارت میں مُسلمانوں کو متحد ہونے کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی ایک منصوبے کا بھی اعلان کیا جس کی رُو سے برِصغیر میں مُسلم اکثریت کے صُوبوں میں مُسلم حکومت کے قیام کا ذکر تھا۔ آپ نے اپنے خطبے میں واضح کیا کہ:

مسلمان ہندوؤں سے ایک بالکل الگ قوم ہیں، جس کی تہذیب اور ثقافت اپنی ہے، جس کا اپنا ایک تمدن ہے۔ ان کا کھانا پینا، رہنا سہنا دُوسری قوموں سے

قطعی مختلف ہے، ان کا مذہب دوسرے مذہبوں سے ایک جُداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا مُسلمانوں کو اپنے اکثریت والے علاقوں میں حکومت ملنا چاہیے کہ وہ اپنی دینی اور اخلاقی روایات کو پروان چڑھا سکیں۔

علامہ اقبالؒ کی طرح محمد علی جناحؒ کو بھی شروع ہی سے وطن کی آزادی سے بڑی محبت تھی۔ محمد علی جناحؒ کی بڑی خواہش تھی کہ برِصغیر کے لیے آزادی حاصل کرنے کی خاطر برِصغیر کی دونوں بڑی قوموں یعنی مسلمانوں اور ہندوؤں میں مکمل یکجہتی اور اتحاد ہو۔ اس مقصد کے لیے اُنھوں نے مخلصانہ کوششیں کیں، لیکن جب اُنھوں نے ہندوؤں کی روش کو دیکھا کہ وہ مُسلمانوں کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں تو محمد علی جناحؒ بہُت دِل برداشتہ ہُوئے۔

1930ء اور 1932ء کے درمیان حکُومت برطانیہ نے برِصغیر کے سیاسی مسائل کے حل کے لیے لندن میں تین گول میز کانفرنسوں کا انعقاد کیا۔ ان کانفرنسوں میں برِصغیر کے بڑے بڑے سیاسی لیڈر شریک ہُوئے۔ ان کانفرنسوں کا یہ مقصد تھا کہ عنقریب جو اصلاحات ہونے والی تھیں، ان میں کسی متفقہ فیصلے کے ذریعے برِصغیر کے باشعُور لوگوں کو حکُومت میں حصّہ دیا جائے۔ اس موقع پر بھی ہندوؤں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

گول میز کانفرنسوں کی ناکامی کے بعد حکُومت برطانیہ نے اپنی طرف سے اصلاحات نافذ کر دیں جسے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کہتے ہیں، اس قانون کی رُو سے صُوبوں کو اندرونی معاملات میں بہت سے اختیارات دے دیے گئے۔

برِصغیر کے بیشتر صُوبوں میں ہندوؤں کو بھاری اکثریت حاصل تھی۔ ان حالات میں مسلمان محسوس کر رہے تھے کہ اگر ایسا طرزِ حکُومت بن گیا جس میں ہندوؤں کی غالب اکثریت قائم رہی تو اس سے ہندوؤں کو مستقل غلبہ حاصل ہو جائے گا اور مسلمان انگریز کی غلامی سے نکل کر ہندو کی غلامی میں چلے جائیں گے۔

ان حالات میں مُسلمانوں کو ایک ایسے قائد کی ضرورت تھی جو برِصغیر کے تمام مُسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے تحریک آزادی کی جدوجہد کو ازسرِ نو جاری کرے۔ علامہ اقبالؒ اور دُوسرے مُسلمان لیڈروں کی نگاہیں قائداعظم محمد علی جناحؒ پر پڑیں۔

انھوں نے قائداعظمؒ سے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کی از سرِ نو تنظیم کریں۔ چنانچہ قائداعظمؒ نے مسلمانوں کی اس درخواست کو قبول کیا اور انھوں نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھال لی۔ ان کی محنت، خلوص اور قابلیت کی بدولت تھوڑی ہی مدت میں مسلم لیگ پھر سے ایک زندہ اور فعال جماعت بن گئی۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت 1937ء میں برِصغیر میں عام انتخابات ہوئے۔ ہندو اکثریت کے صوبوں میں کانگرس کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اب وہ ان صوبوں پر قابض تھے اور اقتدار ان کے ہاتھ میں تھا۔ اقتدار کے نشے میں اُنھوں نے ہندو اکثریت والے صوبوں کے مسلمانوں کو ہر طرح سے پریشان اور تنگ کرنے کی کوشش کی۔ ان صوبوں کے سکولوں میں 'بندے ماترم' کا گیت گایا جانا ضروری قرار دیا گیا۔ اس گیت میں مسلمانوں کی دل آزاری کی گئی تھی۔ مسلمان بچّوں کو یہ گیت گانے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اردو زبان کی پھر سے پُر زور مخالفت کی جانے لگی۔ اردو کی جگہ ہندی نے لے لی۔ غرض تھوڑی مدت میں ہی ہندوؤں نے مسلمانوں کو اس قدر پریشان کیا کہ وہ ان سے مستقل چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے سنجیدگی سے سوچنے لگے۔

ان حالات میں 1937ء میں لکھنؤ کے مقام پر مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں برِصغیر کے طول و عرض سے مسلمان لیڈروں نے شرکت کی۔ اس جلسے کی صدارت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کی۔ اس اجلاس نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں میں مکمل اتحاد موجود ہے اور وہ ایک زندہ قوم کی طرح باعزت زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

1939ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہو گئی۔ اس جنگ میں برطانیہ بھی شریک تھا۔ لہٰذا اسے برِصغیر کے عوام کی حمایت کی ضرورت تھی۔ انگریزوں کی اس مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوؤں نے انگریز حکومت کے خلاف تحریک شروع کی۔ اس تحریک کی ایک کڑی کے طور پر کانگرسی وزارتوں نے استعفیٰ دے دیا۔ اس طرح برِصغیر کے مسلمانوں کو کانگرسی وزارتوں کے ظلم و تشدد سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ برِصغیر کے مسلمانوں نے ہندو حکومت کے ظلم و تشدد سے نجات حاصل ہونے کی خوشی میں 22 دسمبر 1939ء کو یومِ نجات منایا۔

قراردادِ پاکستان

قائداعظم کی مسلسل اور ان تھک محنت اور کوشش کا نتیجہ تھا کہ 1940ء تک برِصغیر کے تقریباً سارے مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے

جمع ہو گئے۔ اب وقت آگیا تھا کہ مسلمانوں کے لیے الگ وطن کے مطالبے کا اعلان کر دیا جائے۔

مارچ 1940ء میں آل انڈیا مُسلم لیگ کا سالانہ تاریخی اجلاس بادشاہی مسجد لاہور کے سامنے والے وسیع میدان میں منعقد ہُوا، جو آج کل 'اقبال پارک' کے نام سے مشہور ہے اور جہاں پاکستان کی عظمت کا نشان 'مینارِ پاکستان' بنا ہُوا ہے۔ اس شاندار اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے مُطالبہ کیا گیا کہ برِصغیر کے مُسلم اکثریت کے صُوبوں میں ایک الگ خُود مختار حکُومت بنائی جائے۔ یہ مسلم اکثریت کے علاقے برِصغیر کے شمال مغربی اور شمال مشرقی صُوبوں پر مشتمل تھے۔ یہ قرارداد مُسلم لیگ کے دستُور میں شامل کر دی گئی۔ اس قرارداد کو بنگال کے ایک لیڈر مولوی اے۔ کے فضل الحق نے پیش کیا اور ساری قوم نے اس کی پُرزور حمایت کی۔ اس قرارداد کو 'قراردادِ پاکستان' کہا جاتا ہے۔ یہ قرارداد ہندوؤں کے منصوبوں پر بجلی بن کر گری اور وہ اس قرارداد کی بزور مخالفت کرنے لگے۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران میں برِصغیر کے باشندوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے حکُومت برطانیہ نے اپنے ایک وزیر کرپس کو برِصغیر بھیجا۔ اس نے برِصغیر کے عوام کو برطانوی حکُومت کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ برطانیہ جنگ ختم ہونے کے بعد برِصغیر کو آزادی دے دے گا۔ کرپس نے آزادی کے بارے میں تجاویز تو پیش کیں، لیکن کرپس کی تجاویز میں مسلمانوں کی آزادی کی ضمانت نہ تھی، اس لیے مسلم لیگ نے انھیں قبول نہ کیا۔

دوسری جنگ عظیم 1945ء میں ختم ہو گئی۔ انگریز حکُومت نے 1945-46ء میں برِصغیر کے عام انتخابات میں مُسلم لیگ کو شاندار کامیابی نصیب ہُوئی اور اس کا یہ دعویٰ درست ثابت ہو گیا کہ مُسلم لیگ ہی برِصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی۔

کرپس مشن کی ناکامی اور انتخابات میں مُسلم لیگ کی شاندار کامیابی کے بعد برطانیہ کی حکومت نے برِصغیر کے مسائل کو سُلجھانے کی غرض سے یہاں تین وزیروں کا ایک مشن بھیجا۔ مشن نے ہر ممکن کوشش کی کہ کانگرس اور مُسلم لیگ کے درمیان کوئی باعزت سمجھوتہ ہو جائے، لیکن کانگرس، مسلم لیگ کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وزارتی مشن بھی ناکام ہو گیا۔

وزارتی مشن کی ناکامی کے بعد برطانوی حکُومت نے برِصغیر کی بڑی سیاسی جماعتوں یعنی مُسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان سمجھوتہ کرانے کی مزید کوشش کی، لیکن اس کا بھی کوئی خاطر خواہ

نتیجہ نہ نکلا۔

چنانچہ برطانوی حکومت نے 3 جون 1947ء کو اعلان کیا کہ 15 اگست تک برِصغیر کو دو آزاد مملکتوں میں تقسیم کر کے آزادی دے دی جائے گی۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لیے برطانوی حکومت نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وسیع اختیارات دے کر برِصغیر کا وائسرائے بنا کر پہلے سے ہی بھیجا ہوا تھا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے برِصغیر کی تقسیم کا اعلان کر دیا تو اس کے ساتھ ہی صوبہ پنجاب، بنگال اور آسام کی تقسیم بھی تجویز کر دی۔ کانگرس کے مطالبے پر صوبہ سرحد اور سلہٹ میں استصواب کرانے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔

برطانوی پارلیمنٹ نے 3 جون کا اعلان قانونی شکل میں منظور کر لیا۔ سلہٹ اور صوبہ سرحد میں جب عوام کی رائے لی گئی تو انھوں نے متفقہ طور پر پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ دیا۔ سندھ اسمبلی نے صوبہ سندھ کو پاکستان میں شامل کرنے کا متفقہ طور پر فیصلہ کیا اور بلوچستان کے جرگے نے بھی عوام کی مرضی کے مطابق پاکستان میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پنجاب، بنگال اور آسام کی تقسیم اور حد بندی کو آخری شکل دینے کے لیے ریڈکلف کی صدارت میں ایک کمیشن قائم کیا۔ اس کمیشن نے جو فیصلہ دیا اسے ریڈکلف ایوارڈ کہتے ہیں۔

ریڈکلف نے انصاف کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مسلم اکثریت والے بعض علاقے جو پاکستان کا حصہ ہونے چاہییں تھے، بھارت کے حوالے کر دیے۔

ضلع گورداسپور میں مسلمانوں کی واضح اکثریت تھی لیکن یہ علاقہ اس واسطے بھارت کے حوالے کر دیا گیا کہ کشمیر اور بھارت کی سرحد ایک دوسرے کے ساتھ مل جائے تاکہ بھارت کشمیر کے ہندو راجے سے ساز باز کر کے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے منصوبے کو بعد میں عملی شکل دے سکے۔ ریڈکلف کی یہ سازش کامیاب ثابت ہوئی اور بے گناہ کشمیریوں کو ہندوؤں کے ظلم و ستم سہنے کے لیے بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔

مشق

(۱) مختصر جوابات تحریر کریں۔

1۔ نہرو رپورٹ کی اشاعت کے بعد ہندو مسلم فسادات نے کیوں شدت اختیار کر لی؟

2- خُطبہ الہ آباد میں علامہ اقبالؒ نے کون سا مطالبہ پیش کیا تھا ؟

3- لندن میں گول میز کانفرنسیں کیوں منعقد ہُوئیں ؟

4- 1937ء میں جن صُوبوں میں کانگرسی وزارتیں بنیں ، وہاں مُسلمانوں کے ساتھ کیسا سُلوک کیا گیا؟

5- 1937ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہُوا - اجلاس کیوں اہم تھا ؟

6- قراردادِ پاکستان کِس مقام پر پیش ہُوئی - اس قرارداد کے اہم نکات کیا تھے ؟

7- ریڈکلف نے پنجاب کی تقسیم کے وقت مسلمانوں سے کیا زیادتی کی - اس کی تفصیل بتائیں -

8- پاکستان حاصل کرنے کی سب سے بڑی وجہ کیا تھی ؟

عملی کام

1- قیامِ پاکستان کے سلسلے میں جن رہنماؤں نے اعلیٰ خدمات سرانجام دیں،ان کی تصاویر جمع کرکے کاپی پر لگائیں اور ہر تصویر کے نیچے اُن کے کارنامے درج کریں -

2- یومِ قائداعظمؒ دُھوم دھام سے منائیں ، جلسہ منعقد کریں اور تقاریر کریں -

اسلامی جمہوریہ پاکستان

14؍ اگست 1947ء کو دُنیا کے نقشے پر پاکستان کے نام سے دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آئی اور قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اس نئی مُسلم مملکت کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ لیاقت علی خاں پاکستان کے پہلے وزیراعظم مقرر ہوئے۔



3؍ جون کے اعلان میں یہ بھی طے ہوا تھا کہ برِصغیر کی حکومت کے تمام اثاثے بھی فوری طور پر تقسیم ہو جائیں گے، لیکن لارڈ مونٹ بیٹن ہندوؤں کا طرف دار تھا، اس لیے بھارت نے ان اشیا کے ارسال کرنے میں جان بُوجھ کر تاخیر کی اور بہت سے سامان کو روک لیا۔ تاہم عوام کے عزم و ہمت اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت پاکستان نے

تمام ابتدائی مشکلات اور تکالیف پر قابُو پا لیا اور پیارے وطن کی آزاد فضا میں چاند ستارے والا سبز پرچم شان و شوکت سے لہرانے لگا۔

ہندوؤں نے مشرقی پنجاب، دہلی اور بھارت کے دُوسرے علاقوں سے مُسلمانوں کو نکالنے کا منصُوبہ پہلے سے ہی تیار کر رکھا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لاکھوں مُسلمان غیر مسلموں کے ہاتھوں مارے گئے اور لاکھوں لُٹے پٹے اپنی جانیں بچا کر پاکستان آ گئے۔ مہاجرین کی آمد سے پاکستان کے لیے مزید مالی اور انتظامی مشکلات پیدا ہوئیں، لیکن عوام نے بڑے عزم و استقلال اور خندہ پیشانی سے سب کچھ برداشت کیا۔ ان کے کھانے پینے کا مقدور بھر انتظام کیا گیا۔ بیماریوں کی روک تھام کے لیے ٹیکے لگائے گئے اور دیگر احتیاطی تدابیر اختیار کی گئیں۔ بے سرو سامان مہاجرین کی آبادکاری کو بڑی اہمیت دی گئی۔ مہاجرین نے بھی بڑی ہمت اور قوتِ برداشت کا ثبُوت دیا۔ وہ جلد ہی اپنے کام کاج میں لگ گئے اور پاکستان کی تعمیر و ترقی میں مصرُوف ہو گئے۔

ان مشکل اور صبر آزما حالات سے عہدہ برا ہونا بڑے دِل گُردے کا کام تھا۔ قائدِاعظمؒ نے جو ہمت و استقلال کے پیکر تھے، ان مشکلات کا بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا اور دن رات محنت کر کے پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا۔ اس دَوران میں کام کی زیادتی کے باعث قائدِاعظمؒ کی صحت روز بروز گرنے لگی۔ آپ کو علاج کے لیے صُوبہ بلوچستان کے صحت افزا مقام زیارت لے جایا گیا، لیکن صحت گرتی گئی۔ جب زیارت میں کوئی افاقہ نہ ہُوا تو آپ کو کراچی لایا گیا، جہاں قوم کا محبُوب لیڈر 11 ستمبر 1948ء کو ہم سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گیا۔ (اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون)

قائدِاعظمؒ کی وفات کے بعد خواجہ ناظم الدین پاکستان کے گورنر جنرل بنے۔ لیاقت علی خاں بدستُور ملک کے وزیرِاعظم رہے۔

قائدِاعظمؒ کی وفات کے بعد پاکستان کو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان ابھی تک اپنا آئین بھی نہیں بنا سکا تھا۔ انتظامی ڈھانچہ بھی مضبُوط بُنیادوں پر استوار نہیں ہُوا تھا۔ اقتصادی حالت بھی خاطر خواہ نہیں تھی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب ان تمام مشکلات پر قابُو پایا جا چکا ہے۔ دستور کی بُنیاد پاکستان کے پہلے وزیرِاعظم لیاقت علی خاں کے دَور میں مجلسِ قانُون ساز نے مارچ 1949ء میں رکھ دی تھی اور اب ایک اسلامی جمہوری آئین بن چکا ہے، جس پر پوری قوم متفق ہے۔

اقتصادی اعتبار سے بھی پاکستان نے ترقی کی ہے۔ اچھے نظامِ آب پاشی اور زرعی اصلاحات کی

بدولت زرعی پیداوار بڑھی ہے ۔ آبادی میں اضافہ ہونے کے باوجود ہم اپنی غذائی ضروریات میں کافی حد تک خود کفیل ہو چکے ہیں ۔

مزدور پالیسی کے تحت مزدوروں کی تنخواہوں میں معقول اضافہ ہُوا ہے ۔ انھیں پنشن، رہائش اور علاج کی سہُولتیں میّسر ہیں ۔

صحت پالیسی کے تحت طبّی سہولتوں میں خاطر خواہ اضافہ ہُوا ہے ۔ دیہات میں طبّی سہُولتیں مہیا کرنے پر خاص توجہ دی جا رہی ہے ۔ ڈاکٹروں کی کمی کو پُورا کرنے کے لیے میڈیکل کالجوں میں طلبہ کی تعداد میں معقول اضافہ کر دیا گیا ہے ۔

تعلیمی پالیسی کے تحت تمام مُلک میں یکساں نصاب رائج کیا جا رہا ہے ۔ اس نئے نصاب کی روشنی میں مدرسوں و کالجوں میں فنی اور سائنسی تعلیم کا خاص طور پر بندوبست کیا گیا ہے ۔ مستحق طلبہ کو معقول وظیفہ دیا جاتا ہے تاکہ وہ طلبہ جن کے والدین کی آمدنی کم ہے ، تعلیم جاری رکھ سکیں اور مزید تعلیم حاصل کر کے مُلک و قوم کی خدمت کریں ۔

پاکستان کے تعلقات اکثر ملکوں سے دوستانہ ہیں ۔ اقوامِ عالم پاکستان کو عزّت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں ۔

مشق

(ل) مختصر جوابات تحریر کریں ۔

1 ۔ پاکستان بننے پر اہلِ پاکستان کو کِن کِن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ؟ ان مشکلات پر کِس طرح قابُو پایا گیا ؟

2 ۔ جو مہاجرین بھارت سے لُٹے پٹے پاکستان میں آئے ، اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا ؟

3 ۔ قائدِ اعظمؒ کب فوت ہُوئے ؟ اُن کی وفات کے باعث اہلِ پاکستان کو کیا نقصان ہُوا ؟

4 ۔ پاکستان کا دستُور کِس قسم کا ہے ؟

5 ۔ دیہات میں بسنے والے لوگوں کو طبّی سہُولتیں پہنچانے کے سلسلے میں کیا کیا اقدام کیے گئے ہیں ۔

۔ قومی تعلیمی پالیسی کے تحت طلبہ کو کیا کیا سہولتیں مہیا کی گئی ہیں ؟

(ب) درج ذیل چار بیانات میں سے صرف ایک درست ہے ۔ درست بیان پر نشان (✓) لگائیں ۔

(i) پاکستان کے تعلقات اکثر ملکوں سے دوستانہ ہیں۔

(ii) پاکستان کے تعلقات صرف اسلامی ملکوں سے دوستانہ ہیں۔

(iii) پاکستان کے تعلقات ایشیا کے تمام ملکوں سے دوستانہ ہیں۔

(iv) پاکستان کے تعلقات یورپ کے ملکوں سے اچھے نہیں۔

(ج) خالی جگہوں کو پُر کریں۔

1- لارڈ مونٹ بیٹن ....کا طرف دار تھا۔

2- قائدِاعظمؒ ....کی بدولت پاکستان نے ابتدائی مشکلات پر قابو پا لیا۔

3- مہاجرین نے ....کا ثبوت دیا۔

4- ہمارے محبوب رہنما ....کو ہم سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گئے۔

جمہوریت

مختلف ملکوں میں مختلف طبقوں کے لوگ آباد ہیں، اس لیے طرز حکومت بھی مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ سب سے اچھی حکومت وہ ہے جو عوام کی حکومت ہو اور عوام کے آرام اور فلاح و بہبود کا خیال رکھے۔ جو حکومت عوام کی ہو اور عوام کے فائدے کے لیے ہو، ایسی حکومت کو جمہوری حکومت کہتے ہیں۔

اسلامی جمہوریت اُس طرزِ حکومت کا نام ہے جس میں اقتدار اعلیٰ کا مالک خدائے برتر ہوتا ہے۔ اس طرزِ حکومت میں عوام اپنے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے حکومت کرتے ہیں۔

جمہوریت میں اختیارات معاشرے کی ملکیت ہوتے ہیں۔ ملک کا قانون کوئی بادشاہ یا سربراہ نہیں بناتا بلکہ خود عوام کے نمائندے وضع کرتے ہیں۔ اس قسم کے نظامِ حکومت میں عوام کو تحریر و تقریر کی آزادی ہوتی ہے۔ وہ اپنے خیالات لوگوں کے سامنے بے خوف و خطر، آزادی سے پیش کر سکتے ہیں۔

فرد اور معاشرہ

ابتدا میں انسان کی زندگی اور حیوان کی زندگی میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ وہ جانوروں کی طرح جنگل میں رہ کر، پھل کھا کر یا کبھی کبھی جانوروں اور مچھلی کا شکار کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ وہ گرمی سردی کی شدت اور بارشوں کے حملوں سے بچنے کے لیے غاروں میں پناہ لیتا، درختوں کے پتوں کو لباس کے طور پر جسم ڈھانپنے کے لیے استعمال کرتا۔ اگرچہ اس کی ابتدائی زندگی عام حیوانات کی زندگی سے بہت حد تک ملتی جلتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات میں اپنی حالت بہتر بنانے کی خواہش اور قوّت چھپا رکھی تھی۔ اس قوّت نے اُسے بہتر زندگی بسر کرنے کے لیے مِل جُل کر رہنے پر مجبور کیا۔ اکٹھے رہنے کے لیے اُسے مختلف قوانین، رسم و رواج اور اداروں کے ماتحت رہنے کی ضرورت پڑی۔ مِل جُل کر رہنے والے اس گروہ یا جماعت کا نام معاشرہ ہے۔

معاشرے کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنی روزمرہ کی ضروریات کو پُورا کرنے کے لیے معاشرے کے دُوسرے افراد کی مدد کا محتاج ہے۔ مثلاً اُسے کھانے کے لیے خوراک، رہنے

کے لیے گھر اور پہننے کے لیے لباس کی ضرورت ہے - یہ ضروریات دُوسرے افراد کی مدد کے بغیر پُوری نہیں ہو سکتیں - اسی طرح اُسے اپنی حفاظت کے لیے دُوسرے افراد کے ساتھ مل جل کر رہنا پڑتا ہے - معاشرے سے انسان کی شخصیت مکمل ہوتی ہے - معاشرہ ہمیں اچھے اخلاق سکھاتا ہے - معاشرے کے بغیر انسان کے لیے تن تنہا زندگی بسر کرنا ناممکن ہے -

شہری

شہری سے مراد وہ شخص ہے جو کسی ملک کا باشندہ ہو خواہ وہ شہر میں رہتا ہو یا قصبے میں یا کسی گاؤں کا رہنے والا ہو - اسے کچھ حقوق حاصل ہوں اور اس کے ذمّہ کچھ فرائض بھی ہوں - اچھا شہری وہی ہے جو اپنے فرائض کو ذمہ داری سے ادا کرتا ہو اور حقوق سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھا سکتا ہو -

ایک اچھے شہری کے لیے ضرُوری ہے کہ اُسے ذمہ داری کا احساس ہو اور کفایت شعار ہو - ملک و قوم کا وفادار ہو، ووٹ کا صحیح استعمال جانتا ہو - خدمتِ خلق کا جذبہ اس میں موجود ہو - دُوسروں کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہو - وبا پھیل جائے، سیلاب آ جائے یا جنگ شرُوع ہو جائے تو وہ بیماروں کی دیکھ بھال میں پیش پیش ہو - قومی خدمت کے لیے اپنے جان و مال کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرے -

شہری کے فرائض

پُر سکون، اطمینان بخش زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے فرائض اور حقوق کو سمجھیں - ان میں اولیت فرائض کو ہے کیونکہ حقوق دراصل ایسے انعامات ہیں جو ہمیں فرائض کی بجا آوری کے بعد ملتے ہیں - آئیے پہلے فرائض کا جائزہ لیں -

دُوسروں کا احترام

آپ کا زیادہ وقت گھر، سکول اور محلہ میں گزرتا ہے - سب جگہ آپ کو چند بزرگوں سے واسطہ پڑتا ہے - زندگی کی اچھی عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے والدین، اُستاد، رشتہ دار، گھر کے بزرگ اور ملازموں کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آئیں - ہر ایک سے ادب سے بات کریں - اگر کوئی نصیحت کرے تو اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں - ہمارا یہ فرض ہے کہ گھر کے کام میں والدین کا ہاتھ بٹائیں - محنت کرنے والے لوگ مثلاً موچی، لوہار، دھوبی وغیرہ سب قابلِ احترام ہیں کیونکہ یہ ہماری بہت سی ضرورتیں پُوری کرتے ہیں -

جب کوئی بزرگ ملے، اس کو سلام کریں اور اس کی بات کا جواب نہایت شائستگی سے

دیں - اگر آپ کا کوئی ہمسایہ بیمار ہو یا کوئی طالب علم پڑھ رہا ہو تو آپ کا فرض ہے کہ ریڈیو آہستہ بجائیں تاکہ دوسروں کے آرام میں خلل نہ ہو۔

قانون کا احترام

انسانی احترام کے ساتھ ساتھ قانون کا احترام بھی ضروری ہے۔ کسی بھی کام کے کرنے کے کچھ طریقے اور اصول ہوتے ہیں۔ اچھے لوگ ان اصولوں کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں، مثال کے طور پر آپ صبح اپنا بستہ اُٹھائے جب سڑک پر چلتے ہیں تو بے شمار لوگ بھی چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ سڑک کے درمیان میں نہ چلیں، بلکہ سڑک کے اطراف پر بنے ہوئے فٹ پاتھ پر ہولیں تاکہ موٹریں، تانگے اور دوسری سواریاں سڑک پر سہولت سے چل سکیں۔

اگر ہم سب ٹریفک کے اصولوں کو فراموش کر دیں تو ذرا سی دیر میں بہت سا نقصان ہو سکتا ہے۔

صفائی

صفائی نصف ایمان ہے۔ یہ ہمارے پیارے رسُول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے۔ اس لیے ہم سب کو چاہیے کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمان پر عمل کریں۔ ہم اپنے گھروں سے روزانہ اپنی امی، باجی یا کسی اور فرد کو گھر کی صفائی کرتے دیکھتے ہیں۔ گندہ گھر بُرا ہی نہیں لگتا بلکہ بیماریوں کا مرکز بھی بن جاتا ہے۔ اس لیے صفائی کی عادت ڈالنا نہایت ضروری ہے۔

ہمیں اچھی صحت کے لیے جسمانی صفائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ صبح سویرے مسواک یا برش سے دانت صاف کریں تاکہ منہ سے بدبُو نہ آئے۔ دانتوں کی طرح ناخن صاف کرنا بھی ضرُوری ہے۔ بڑھے ہُوئے ناخنوں میں میل پھنس جاتی ہے، جس سے بہت سی بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ہمیں باقاعدہ غُسل کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اس طرح صحت ٹھیک رہتی ہے اور آدمی سارا دن خُوش نظر آتا ہے۔ جسم کے ساتھ ساتھ کپڑوں کی صفائی کا بھی خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔ گندے ہاتھ، کپڑوں سے صاف نہ کریں تاکہ ان پر داغ یا دھبے نہ پڑ جائیں۔

جسمانی صفائی کے ساتھ ساتھ اپنی کتابوں اور کاپیوں کو بھی صاف رکھنا ضرُوری ہے۔ کاغذ کے ٹکڑے اور پھلوں کے چھلکے وغیرہ ردّی کی ٹوکری میں پھینکیں۔ ادھر ادھر تھُوکنا بہت بُری عادت ہے۔ اس سے بہت سی بیماریاں بھی پھیل سکتی ہیں۔

جس طرح گھر کی صفائی سے گھر اچھا لگتا ہے، سکول کی صفائی سے سکول اچھا لگتا ہے، اسی طرح محلے کی صفائی سے محلہ خوبصورت لگے گا اور جب سب محلے صاف ہوں گے تو تمام شہر خوبصورت نظر آئے گا اور کوئی بیماری بھی پاس نہیں پھٹکے گی۔

چیزوں کی حفاظت

بچّو! آپ کے ابا جان نے جو چیزیں آپ کو خرید کر دی ہیں، ان کی حفاظت کرنا آپ کا فرض ہے۔آپ کی کتابیں، کپڑے، جُوتے، بستر، لیمپ، قلم دوات وغیرہ آپ کی ملکیت ہیں۔ ان کو نہ گندہ کریں اور نہ لاپروائی سے استعمال کریں۔ روزانہ اُن کو جھاڑ پونچھ کر الماری میں رکھیں۔ اگر اس عُمر میں چیزوں کے جائز اور مناسب استعمال کی عادت پڑ گئی تو بڑے ہو کر آپ اپنی چیزوں کی حفاظت کے ذمہ دار بن جائیں گے۔ سکول میں ڈیسک یا میزیں اور کرسیاں، کمرے میں لٹکے ہُوئے چارٹ آپ کی ملکیت ہیں۔ ان کی اور سکول کے درخت، پھل اور پھولوں کی حفاظت کریں۔ کچے پھل نہ توڑیں۔ پھول اور درختوں کے پتے نہ توڑیں۔ محلوں میں اکثر آپ نے دیکھا ہوگا کہ کارپوریشن نے روشنی کے لیے کھمبے لگوا رکھے ہیں۔ شریر بچے نشانہ بازی کے شوق میں ان پر لگے ہُوئے بلب توڑ دیتے ہیں، جس کے باعث رات کے وقت گزرنے والوں کو اندھیرے میں ٹھوکریں لگتی ہیں اور زخمی ہو جاتے ہیں۔ باقی چیزوں کی طرح بلبوں کی حفاظت کرنا بھی ہم سب کا فرض ہے۔

گھروں میں یا گلیوں میں لگے ہُوئے پانی کے نل ضرُورت کے وقت کھولیں اور جب ضرُورت کے مطابق پانی حاصل کرلیں تو ان کو بند کر دیں تاکہ پانی ضائع نہ ہو۔ بجلی، پانی سڑکیں، عمارات، پُل یہ سب ہماری ہی ملکیّت ہیں۔ ان کی حفاظت کا پُورا پُورا خیال رکھنا، ہم سب کا فرض ہے۔

کفایت شعاری

آپ کو والدین سے جو جیب خرچ مِلتا ہے، اس میں سے تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں۔ اس کے علاوہ آپ کو عید پر گھر سے اور رشتہ داروں سے بھی کچھ پیسے ملتے ہیں، انھیں سوچ سمجھ کر خرچ کریں۔ سادہ کپڑے پہنیں مگر اُنھیں احتیاط سے رکھیں۔ اپنے جُوتے احتیاط سے استعمال کریں۔ جب لِکھ پڑھ کر فارغ ہو جائیں تو کمرے کی بتی بُجھا دیں۔ غرضیکہ ہر وہ چیز جو آپ کے قبضے میں ہے، اس کا استعمال انتہائی احتیاط سے کریں۔

پتنگ بازی کے علاوہ بعض بچے شب برات کے موقعوں پر آتش بازی بھی چلاتے ہیں۔ یہ شوق بھی انتہائی نقصان دہ ہے ۔ اس سے نہ صرف پیسہ ضائع ہوتا ہے، بلکہ بعض اوقات جانی نقصان بھی ہوتا ہے ۔ آپ اپنے پیسے ضائع کرنے کی بجائے ان سے اچھی اچھی کارآمد چیزیں خرید سکتے ہیں ۔ اس بچائے ہوئے پیسے سے کسی غریب کی مدد بھی ہو سکتی ہے ۔ کفایت شعاری کی عادت، قومی دولت کی حفاظت کی عادت ڈالتی ہے ۔

حقوق ایک جمہوری حکومت اپنے شہری سے جہاں فرائض ایمانداری سے سرانجام دینے کی توقع کرتی ہے، وہاں اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے شہری کو حقوق بھی دے ۔ حکومت شہری کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے اور اس کی آزادی کی ضامن بنتی ہے ۔

تعلیم ملک و قوم کی بہتری کے لیے ہر شہری کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے ۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ شہریوں کی ابتدائی لازمی تعلیم کا انتظام کرے ۔ لائبریری کی سہولت دے اور بلا امتیاز ہر طالب علم کو قابلیت کی بنا پر تعلیمی سہولتیں مہیا کرے ۔

ضرُوریاتِ زندگی ہر شہری کو کھانے، کپڑے، مکان اور طبی امداد جیسی ضرُوریاتِ زندگی حاصل کرنے کا حق ہے ۔ معذوری کی حالت میں حکومت شہری کی ضروریات کی ذمہ دار ہوتی ہے ۔

سیاسی حقُوق ووٹ دینے کا حق ہر شہری کو حاصل ہے ۔ حکومت کا یہ فرض ہے کہ اچھے حالات پیدا کرے تاکہ ہر شہری اس حق کو آزادی کے ساتھ استعمال کر سکے ۔ سرکاری ملازمتوں میں بھی قابلیّت کو مدِّنظر رکھا جائے ۔

قانُون اور آزادی

قانُون ہم پڑھ آئے ہیں کہ معاشرہ میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے چند اصُول بنانے پڑتے ہیں ۔ ان اصولوں کے بغیر معاشرے کا کوئی کام نہیں چل سکتا ۔ معاشرے میں اچھے اور بُرے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں ۔ حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ اچھّے لوگوں کے جان و مال کو بُرے لوگوں سے محفوظ رکھّے ۔ اس مقصد کے لیے قانون کی ضرورت

پڑتی ہے۔ قانون ہمیں جائز حد تک آزادی دیتا ہے۔ اگر ہماری آزادی جائز حد پار کر جائے تو قانون اس پر پابندی عائد کرتا ہے۔ یہ پابندی عوام کی بہتری کے لیے ہوتی ہے اور ہر شہری کے حقوق و فرائض قانون کی وجہ سے ہی قائم رہتے ہیں۔ قانون کی بدولت ہم باعزت زندگی بسر کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔

آزادی

ہر شہری آزاد ہے کہ جو چاہے کرے لیکن یہ خیال رکھے کہ اس سے دوسروں کی حق تلفی نہ ہو۔ ہر جمہوری مملکت اپنے شہریوں کو کئی قسم کی آزادیاں دیتی ہے، جن میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

شخصی آزادی

قانون کی نظر میں ہر ایک شخص کی آزادی محفوظ ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ دوسروں کی آزادی میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ کرے۔

ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ جو چاہے کرے مگر اس کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ کوئی خاص پیشہ اختیار کرنے سے پہلے اس میں مہارت حاصل کرلے۔ مثلاً ایک ڈاکٹر جب تک ڈاکٹری کی تعلیم مکمل نہ کرلے، وہ بیماروں کا علاج شروع نہ کرے۔ اسی طرح ایک شخص ڈرائیور بننا چاہتا ہے تو اس کے لیے پہلے بس وغیرہ چلانے کی پوری مشق کرنا ضروری ہے۔ اس طرح حکومت ہر شخص کو خاص پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں دے گی، جب تک کہ وہ اس کام کو اچھی طرح نہ سیکھے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شخص اپنا خاندانی پیشہ اختیار کرے، بلکہ وہ قابلیت کی بنا پر ہر پیشہ اختیار کر سکتا ہے اور قانون کے اندر رہتے ہوئے جس جگہ چاہے، جائداد بنا سکتا ہے۔

نقل و حرکت کی آزادی

ہر شہری کو یہ آزادی ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے، روزی کمانے یا سیر و تفریح کی غرض سے ملک کے جس حصے میں چاہے، بغیر کسی روک ٹوک کے جا سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک جگہ امن و سکون کو تباہ کرے یا دنگا فساد کرے تو حکومت اس پر مقدمہ چلا سکتی ہے، اسے شہر سے نکال سکتی ہے، یہ پابندی لگا سکتی ہے کہ وہ اپنے ہی شہر میں رہے یا اس کو اس کے گھر پر ہی نظربند کر سکتی ہے۔

اظہار رائے یا تحریر و تقریر کی آزادی

ہر شہری اپنی ذاتی رائے کو تحریر و تقریر کے ذریعے لوگوں کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ وہ جلسے منعقد کر سکتا ہے یا اخبار، رسالوں میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ خاص طور پر

جب نمائندوں کے لیے چناؤ کا وقت قریب ہوتا ہے، وہ اپنی پسند کے نمائندوں کے حق میں تقریر کر سکتا ہے۔ اپنی ضرورتوں کا احساس حکومت کو دلانے کے لیے تحریروں اور تقریروں سے کام لے سکتا ہے۔ اپنی رائے کو عام لوگوں میں پھیلانے کے لیے انجمنیں بنا سکتا ہے، لیکن اس آزادی کے ساتھ اس کو یہ حق نہیں کہ وہ ایسی باتیں کہے جن سے کسی دوسرے شہری کی دل آزاری ہو یا فتنہ و فساد پھیلنے کا خطرہ ہو۔

ووٹ کا حق

ووٹ کا حق ہر پاکستانی شہری کو حاصل ہے، مگر اچھے شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ ووٹ کا صحیح استعمال کرے اور ایسے شخص کو ووٹ دے جو ملک و قوم کا سچا خادم ہو۔ اسی طرح ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کی آزادی حاصل ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قانون ہم پر کوئی سختی نہیں کرتا بلکہ ہماری آزادی کا محافظ ہے اور اس کی بدولت ہم باعزت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

مشق

(ا) مختصر جوابات تحریر کریں۔

1- قدیم زمانے میں انسان کس طرح زندگی گزارتا تھا؟

2- قدیم زمانے میں انسان جنگلی جانوروں سے محفوظ رہنے کے لیے کیا کرتا تھا؟

3- مختلف علاقوں میں طرزِ حکومت کا فرق کیوں ہوتا ہے؟

4- جمہوریت کس قسم کی طرزِ حکومت ہوتی ہے؟

5- معاشرہ کس طرح وجود میں آیا؟

6- شہری کی کیا تعریف ہے؟

7- حقوق و فرائض کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

8- سکول کی طرف سے آپ پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں؟

9- آپ اپنے محلے میں صفائی کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں؟

10- قانون کا احترام کیوں ضروری ہے؟ آپ ٹریفک کے اصولوں پر عمل نہ کریں تو کیا نقصان ہو سکتا ہے۔

(ب) درج ذیل بیانات میں سے درست بیانات کے سامنے نشان (✓) لگائیں۔

(i) آپ اگر پیدل چل رہے ہیں تو سڑک کے دائیں طرف چلیں ۔

(ii) اگر محلہ صاف ہوگا تو رہنے والے تندرست رہیں گے ۔

(iii) اونچی آواز میں ریڈیو بجانے سے بڑا فائدہ ہوتا ہے ۔

(iv) چھوٹے پودوں کو خراب نہیں کرنا چاہیے ۔

(v) آتش بازی کرنا بُری اور خطرناک حرکت ہے ۔

(vi) ہمیں حقوق مانگنے سے پہلے ایمانداری سے فرائض پُورے کرنے چاہییں ۔

(vii) لائبریریوں میں خاموشی سے بیٹھ کر پڑھنا چاہیے

(viii) ہر ملک اپنے شہریوں کو تقریر اور تحریر کی آزادی دیتا ہے ۔

(ix) پاکستان میں ہم اپنی مرضی کا پیشہ اختیار نہیں کرسکتے ۔

(ج) خالی جگہوں کو نیچے دیے ہوئے الفاظ سے پُر کریں ۔

1- ووٹ دینے کا حق ہر.........کو حاصل ہے ۔

2- پتنگ بازی .... عادت ہے ۔

3- سکول میں ہر چیز کی.............. ہمارا فرض ہے ۔

4- صفائی .... ہے ۔

5- جب کوئی .... ملے، اسے سلام کریں ۔

(بزرگ ، شہری ، خطرناک ، نصف ایمان ، حفاظت)

فلاحی ادارے

چوتھی اور پانچویں جماعت میں ان فلاحی اداروں کے بارے میں تو بتایا جا چکا ہے جن کا انتظام یا تو حکومت کے پاس ہے یا وہ حکومت کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔ آئیے اب ان فلاحی اداروں کے بارے میں پڑھیں جو عوام، جذبۂ خدمت کے تحت اپنی ہی کوششوں سے چلاتے ہیں۔

محلہ اصلاحی کمیٹیاں

شہروں اور قصبوں میں کئی محلے والوں نے اصلاحی کمیٹیاں بنا رکھی ہیں جن میں محلے کے ہی نمائندے شامل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے محلے کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتے ہیں۔ اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت محلے میں صفائی کا انتظام بہتر بناتے ہیں۔ آپس میں چندہ جمع کر کے محلے کے نادار لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ غریب بچوں کی پڑھائی کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ محلے میں لائبریری کا انتظام بھی کرتے ہیں تاکہ لوگ فارغ وقت گزار سکیں۔ جب کبھی ملک کے کسی گوشے میں سیلاب، زلزلہ یا کوئی ناگہانی آفت آتی ہے تو چندہ جمع کر کے اپنے بھائیوں کی امداد کرتے ہیں۔

ادارۂ خدمتِ خلق

ادارۂ خدمت خلق ایسا ادارہ ہے، جو گمشدہ بچوں کو تلاش کر کے ان کے لواحقین تک پہنچاتا ہے۔ اس ادارے کی شاخیں ملک کے ہر حصے میں موجود ہیں، جو اس نیک کام میں حصہ لیتی ہیں۔ یہ ادارہ بھی عوام کی مدد ہی سے چلتا ہے۔

تعلیم بالغاں کی انجمنیں

پاکستان میں خواندگی کی شرح بہت کم ہے۔ دیہات میں رہنے والے بالغ افراد اکثر پڑھے لکھے نہیں، جس کے باعث نہ تو وہ اپنے کام خوش اسلوبی سے کر سکتے ہیں اور نہ ہی ملکی اور بین الاقوامی امور سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں گو حکومت بھی کام کر رہی ہے لیکن کئی انجمنیں بھی اس کارِ خیر میں حصہ لیتی ہیں اور شام کے وقت درس و تدریس کا سلسلہ شروع کرتی ہیں۔

ملک میں ایسی انجمنیں بھی کام کر رہی ہیں جو بعض مخیر حضرات نے قائم کر رکھی ہیں۔ یہ انجمنیں ایسے لائق اور ہونہار بچوں کو قرضہ دیتی ہیں، جو مالی مشکلات کے سبب اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے۔ یہ بچے جب اپنی تعلیم پوری کر کے ملازم ہو جاتے ہیں تو قرضہ واپس لوٹا دیتے ہیں۔ اس طرح

وہ رقم اور طلبہ کو دے دی جاتی ہے اور اس کار خیر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ان اداروں میں خواتین کا ادارہ اپوا بہت اچھے کام سرانجام دے رہا ہے۔

اپوا

قیام پاکستان کے فوراً بعد ملک کو جس امتحانی دور سے گزرنا پڑا، اس کے پیش نظر خواتین پاکستان نے بھی اپنے فرائض کو بخوبی سمجھتے ہوئے اس آزمائش کے وقت پوری لگن اور ایثار سے اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا۔ خواتین کی عملی سرگرمیوں کو تنظیمی شکل دینے کے لیے 1949ء میں کل پاکستان انجمن خواتین کی بنیاد رکھی گئی۔ انجمن کا مختصر نام اپوا ہے۔ اپنے قیام کے بعد سے آج تک اپوا خواتین کی بہتری کے لیے کام کر رہی ہے۔ اس انجمن نے ہر مشکل اور آزمائش کے وقت میں پوری جدوجہد سے مشکلات کا مقابلہ کیا ہے۔ اس وقت ملک میں اپوا کے بے شمار ادارے موجود ہیں، جو عورتوں کی ترقی اور بہتری کے لیے دن رات مصروفِ عمل ہیں۔ خواتین کی یہ با اثر انجمن ہے، جس کی شاخیں اندرون ملک وسیع پیمانے پر رضاکارانہ خدمات انجام دے رہی ہیں۔

اغراض و مقاصد

1- خواتین کے سیاسی حقوق و فرائض کی حفاظت کرنا۔

2- خواتین کو صحیح اسلامی اصولوں سے روشناس کرانا اور اس پر عمل پیرا ہو کر اسلامی معاشرہ قائم کرنا۔

3- معاشرے کی ترقی اور خصوصاً عورتوں کی ترقی کے لیے خواتین کو آمادہ کرنا۔ ان میں رضاکارانہ طور پر قومی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا۔

4- خواتین کی بہتری کے لیے مختلف مراکز کھولنا مثلاً سلائی، کڑھائی وغیرہ سکھانے کے سکول، تعلیم بالغاں کے مراکز، زچہ و بچہ کے مراکز، فری ڈسپنسری، پیشہ ورانہ خواتین کے ہوسٹل، نادار اور بے سہارا خواتین کے لیے ویلفیئر ٹریننگ ہوم، بچوں کے ملبوسات تیار کرنے کے مرکز اور اس طرح کے دیگر ادارے کھولنا اپوا کے پروگرام میں شامل ہیں۔

5- پاکستان میں اور بیرون ملک، گھریلو مصنوعات کو فروغ دینا نیز خواتین میں گھریلو صنعتوں سے دلچسپی پیدا کرنا۔

6- پاکستان کی خواتین کی قانونی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی حیثیت کو بہتر بنا کر ان کی بہبود اور ترقی کے لیے کام کرنا۔

پاکستان میں صحیح اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لیے ہمیں ایسے اداروں اور انجمنوں کی بہت ضرورت

ہے، جو معاشرہ کی حالت بہتر بنانے اور سماجی بُرائیوں کی اصلاح کے لیے کام کریں۔

مشق

(ا) مختصر جوابات تحریر کریں۔

1- فلاحی ادارے پاکستان میں کیا کیا خدمات انجام دے رہے ہیں؟

2- کیا آپ محلہ اصلاحی کمیٹی کا ممبر بننا پسند کریں گے؟ اگر آپ ممبر بن گئے تو محلے کی بہتری کے لیے کیا کچھ کریں گے؟

3- اگر آپ کو کسی فلاحی کام کے لیے چندہ جمع کرنے کے لیے کہا جائے، تو آپ کیا طریقہ اختیار کریں گے؟

4- ادارۂ خدمتِ خلق کیا کیا خدمات سرانجام دے رہا ہے؟

5- ہر شہری کے لیے پڑھا لکھا ہونا کیوں ضروری ہے؟

6- "اپوا" کی تنظیم میں کون کون لوگ شامل ہیں؟ یہ انجمن پاکستان میں کب قائم ہوئی؟
"اپوا" کیا کیا خدمات انجام دے رہی ہے؟

(ب) خالی جگہوں کو پُر کریں۔

(i) اپوا کی انجمن ....کی ترقی کے لیے کام کرتی ہے۔

(ii) اپوا کی بنیاد ....میں رکھی گئی۔

(iii) اپوا کا فرض ہے کہ وہ ....کو فروغ دے۔

(iv) پاکستان میں خواندگی کی شرح .... ہے۔

(v) مخیر حضرات ہونہار بچوں کو .... دیتے ہیں۔

(ج) عملی کام

1- اپنے محلے کے ایک ناخواندہ کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔

2- اپنے محلے کا جائزہ لیں اور کاموں کی ایک فہرست تیار کریں جو محلے کی اصلاح کے لیے ضروری ہیں۔

تیار کردہ: پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

منظور کردہ: قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان

بطور واحد نصابی کتاب برائے مدارس پنجاب

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد　　کشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان　　ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام　　قوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم، مُلک، سلطنت　　پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد

پرچم ستارہ و ہلال　　رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال　　جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذُوالجلال

سیریل نمبر 12217

ایڈیشن	طباعت	تاریخ اشاعت	تعداد	قیمت
(تجرباتی)	سوم	مارچ 1985ء	20,000	6٫45